

’اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی مخلوق کے ساتھ احسان کرا اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، یقیناً اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا‘
(قرآن ۷۷:۲۸)

نائن الیون اور اسلام

9/11 and Islam

پروفیسر ڈاکٹر فضل قادر



A Religion of Compassion and Global Brotherhood

’اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی مخلوق کے ساتھ احسان کر اور ملک میں
فساد کا خواہاں نہ ہو، یقیناً اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا‘ (قرآن ۷۷:۲۸)

نائن الیون

اور

اسلام

9/11 and Islam

پروفیسر ڈاکٹر فضل قادر ترین

پیش لفظ

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء (9/11، نائن الیون) کو امریکی ایئر لائن کے دو جمہو طیارے ورلڈ ٹریڈ سنٹر (نیویارک) اور ایک طیارہ پینٹاگون (واشنگٹن) سے، یکے بعد دیگرے ٹکرائے گئے۔ اس افسوسناک واقعہ میں پونے تین ہزار کے قریب جانیں ضائع ہوئیں۔ اس حملے کی ذمہ داری سعودی عرب کے باغی شہری، اُسامہ بن لادن نے قبول کر لی۔

سانحہ نائن الیون کے فوراً بعد امریکہ نے اسلامی دنیا کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اُسامہ کی گرفتاری کے لئے افغانستان پر بمباری کی، جس سے لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں لیکن خود اُسامہ پاکستان کی سرحدی پہاڑوں تک فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ امریکہ نے چھ سو سے زائد مشتبہ مسلمانوں کو مقدمہ چلائے بغیر ۲۰۰۵ء تک گوانتانامو بے میں قید رکھا۔ مغرب میں ہر مسلم فرد کو دہشت گرد سمجھا جانے لگا اور اُسے تذلیل کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ناگہانی واقعات سے اسلامی دنیا سکتے میں آگئی کیونکہ ان واقعات سے مذہب اسلام کا کوئی تعلق نہیں بنتا تھا۔ ہر مسلم ممالک نے اس واقعہ کی مذمت کی اور بے گناہ جانوں کے ضیاع پر افسوس کا اظہار کیا۔

۲۰۰۳ء میں امریکہ نے عراق کے صدر صدام حسین پر دہشت گردی اور ’وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار (WMDs)‘ انبار کرنے کے الزامات عائد کئے اور اقوام متحدہ کو نظر انداز کرتے ہوئے، حفظِ ماتقدم کے بہانے عراق پر پیشگی حملہ (pre-emptive strike) کر دیا۔ یہ دونوں الزامات درست ثابت نہیں ہوئے۔ بہر حال فلوچہ اور نجف کے ہفتوں بھر محاصرہ اور بمباری، ابو غریب جیل میں جنگی قیدیوں پر جسمانی تشدد اور ان کی جنسی تذلیل کے علاوہ، اس جنگ کے نتیجے میں ایک لاکھ سے زائد عراقی باشندے اور ڈیڑھ ہزار سے زائد امریکی فوجی ہلاک ہوئے۔ مالی نقصان کا اندازہ تین سو بلین ڈالر رہا۔ عالمی منڈی میں تیل کی قیمت ۲۲ ڈالر سے بڑھ کر ۵۰ ڈالر

● پشاور صدر

سعد بک بینک، ارباب روڈ
فون نمبر 091-273769

● راولپنڈی صدر

ادریس بک بینک
بینک روڈ، صدر

فون نمبر 051-5568272

ibb100@hotmail.com

● اسلام آباد

مسٹر بکس

سپر مارکیٹ (مرکز F/6)

فون نمبر 2278843, 2877645

● سعید بک بینک

جناح سپر مارکیٹ (مرکز F/7)

فون نمبر 2651656-9

saeed@saedbookbank.com

www.saeedbookbank.com mrbooks@isb.comsats.net.pk

● لاہور

دارالاندلس

رہمان مارکیٹ، غزلی ٹریڈ، اردو بازار

فون نمبر 042-7231119

● کراچی

فضلی بک سپر مارکیٹ

نزد ریلو پاکستان

فون نمبر 021-2212991, 2629724

sajidfazlee@yahoo.com

مکمل کتاب انٹرنیٹ پر بھی منگوائی جاسکتی ہے

bshah786@hotmail.com

murtaza_kader@yahoo.com

قیمت: دس روپے

مئی ۲۰۰۵ء

مطبوعہ:

بین گرافکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

نمبر 1، آئی اینڈ ٹی سنٹر، جی 7/1، اسلام آباد

فون 2202272 - 2202449

بیرل سے تجاوز کر گئی۔ اس سے مہنگائی کے باعث، دنیا بھر کے انسانوں کا باوقار جینا محال ہو گیا۔

بعض مصلحتوں کے تحت پاکستان اور سعودی عرب کو اپنی مسلمہ پالیسیوں پر اچانک یوٹرن لیتے ہوئے، امریکہ کی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اُس کا ساتھ دینا پڑا اور دونوں نے بڑا مالی اور جانی نقصان اٹھایا۔ لیبیا کے صدر قذافی نے اپنا ایٹمی پروگرام ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور مغرب کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ امریکہ ایران اور شام کو بار بار حملہ کی دھمکیاں دیتا رہا، لیکن عراقیوں کی غیر متوقع مزاحمت نے اسے اسلامی دنیا کے خلاف، مزید پیش قدمی میں قدرے محتاط رہنے پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی اس نے افغانستان اور عراق پر اپنا تسلط ۲۰۰۵ء میں بھی برقرار رکھا۔

اسلامی دنیا کا ایک تاثر یہ ہے کہ سانحہ نائن الیون ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی دنیا کو مغلوب کر کے اس کی ایٹمی قوت کو قابو کیا جائے اور اس کے تیل جیسے قدرتی وسائل پر قبضہ جمایا جائے۔ اُسامہ اور صدام جیسے مسلم افراد کو اس لئے چٹا گیا کہ اسلام کو ایک سرکش (rogue) اور عسکریت پسند (militant) مذہب ثابت کر کے، اسلامی دنیا کو بلیک میل کیا جاسکے۔ اسلامی دنیا کی دوسری رائے یہ ہے کہ سانحہ نائن الیون میں امریکہ پر حملہ کیا گیا تھا اس لئے مجرم افراد سے بدلہ لینا اس کا حق تھا، لیکن مجرموں کی بجائے ان کے عقیدہ اور پوری مسلم دنیا کو نشانہ بنانا درست نہیں۔ اسلام تو امن و سلامتی کا نام ہے اور دہشت گردی قرآن کی ایک سنگین خلاف ورزی ہے۔ اکیسویں صدی عیسوی کے ان انقلابی واقعات نے غیر مسلم دنیا کے ہر پڑھے لکھے فرد میں یہ جاننے کی خواہش پیدا کر دی کہ آخر یہ اسلام کیا ہے؟ اسلام اور دوسرے مذاہب یا سیکولر ازم میں کیا فرق ہے؟ کیا اسلام واقعی ایک انتہا پسند مذہب ہے اور دور حاضر کے انسانی حقوق و جمہوریت اور ثقافت میں جدیدیت جیسے مسائل کا یہ کیا تصور رکھتا ہے؟ اسی تناظر میں، اسلام کا یہ مختصر سا جائزہ لینا اور اسے عام آدمی کی زبان میں پیش کرنا ضروری سمجھا گیا۔

اسلام۔ عقائد و فرائض نام سے کتاب الگ شائع کی جا رہی ہے۔

زبور، تورات اور انجیل تینوں کتب الہی (scripture) ہیں۔ قرآن ان کا آخری ایڈیشن (Final Testament) ہے، اسی لئے اس سے دلائل کو معتبر بلکہ حرف آخر سمجھنا چاہئے، دوسرے یہ کہ اسلام کے تصورات کا تعلق عقائد سے ہے اور عقائد کی دلیل صرف اللہ ہی کا کلام ہے، اسی لئے حوالے قرآن تک محدود رکھے گئے ہیں۔ حوالہ کے ساتھ واوین کے اندر قرآنی آیات کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ اختصار کی غرض سے، بعض آیات کا صرف مفہوم ہی بیان کیا گیا ہے جو واوین کے بغیر ہے۔ ترجمہ وہی چنا گیا ہے جو عام آدمی کیلئے آسان فہم ہو۔ حوالہ (۶:۳) سے مراد قرآن کی سورہ نمبر ۳ (آل عمران) کی آیت (verse) نمبر ۶ ہے۔ ہر سورہ (chapter) کا نام اپنے نمبر سمیت قرآن کے ہر صفحہ پر، اوپر بائیں جانب لکھا ہوا ہوتا ہے۔ قرآنی آیات لکھنے سے اس لئے اجتناب کیا گیا ہے کہ ان کی بے ادبی نہ ہو۔

اسلام ایک معتدل اور فطری طرز معاشرت کا تصور الہی ہے۔ غیر مسلم دنیا بعض قوتوں کی جانب سے، اسلام مخالف پروپیگنڈہ مہم کے سبب غلط فہمیوں کی شکار ہے۔ بعض مسلم افراد غیر معمولی جذبہ (fanaticism) کے باعث دین میں مبالغہ کرتے ہیں جبکہ دوسرے مسلمان سازشی یا مفاد پرست لوگوں کی من گھڑت عبارت (interpolation) کو کلام الہی سمجھ کر عقیدت کے ساتھ اس پر عمل کرتے ہیں۔ گمراہی کے مترادف یہی دونوں اعمال دین میں تنگی کے اسباب ہیں۔ زیر نظر کتاب میں غیر اسلامی مذاہب کا موقف، بعض مسلم افراد کی جانب سے اسلام میں شامل کردہ زیادہ تر صوفی ازم پر مبنی مواد (ہذغث، concoction in Islam) اور قرآن و سنت میں موجود حکمت الہی (divine wisdom)، کے مابین فرق کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اپنی رائے قائم کرنے میں ہر شخص با اختیار ہے۔ قارئین کی مناسب تجاوز کو ان شاء اللہ، اگلے ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے گا۔

ادارہ برائے تحقیق و تعلیم اسلام آباد کے سربراہ محترم خورشید احمد ندیم، اسلام کیا ہے؟ لے مصنف ڈاکٹر محمد فاروق خان، پروفیسر افتخار حسین قاری، فاروق احمد چوہدری ایس ایس ایس، مسز صدقہ لیاقت گیلانی ایس ایس اور محمد امتیاز عثمانی بی اے نے مسودے کا تنقیدی جائزہ لیا

اور مفید مشورے دئے، اللہ ان سب کی خدمات قبول فرمائے۔

زیر نظر کتاب تفرقہ بازی پر مبنی مواد سے پاک ہے اور براہ راست قرآن سے مدلل مواد پر مشتمل ہے۔ اسے اخبارات اور رسائل میں قسط وار چھپوانے یا خصوصی شمارہ شائع کرنے سے انسانیت کا بھلا ہو سکتا ہے۔ یہ دوستوں کو پیش کرنے کے لئے بھی ایک مفید تحفہ ہے۔ اسے اصل متن کے ساتھ نقل یا شائع کرنے اور ویب سائٹ پر چڑھانے کی عام اجازت ہے۔

مہجر جنرل فضل قادر ترین (ریٹائرڈ)
ایف آر سی پی (ایڈیٹر)

فہرست عنوانات

- ۱۔ اسلام ایک ازلی مذہب ہے جو ابدی بھی ہے
- ۲۔ اسلام ایک جامع تصور حیات ہے
- ۳۔ اسلام کی پانچ امتیازی خصوصیات ہیں
- ۴۔ غیر اسلامی مذاہب اسلام ہی کی منحرف شاخیں ہیں
- ۵۔ قرآن انسانیت کے لئے کیا پیغام دیتا ہے؟
- ۶۔ اسلام انتہا پسند نہیں اور جہاد و ہشت گردی نہیں بلکہ اس کی ضد ہے
- ۷۔ ’تہذیبی تصادم‘ کی بنیادی وجہ غلط انسانی فکر ہے، جہاد کا فلسفہ الہی نہیں
- ۸۔ حضرت محمدؐ ہی انسانی حقوق اور جمہوریت کے بانی تھے
- ۹۔ عورت کو مرد کے مساوی انسان سب سے پہلے حضرت محمدؐ نے تسلیم کروایا
- ۱۰۔ اسلام ثقافت میں معتدل روشن خیالی کی جدیدیت چاہتا ہے
- ۱۱۔ اسلام شریعت یا پھر قانون فطرت اور عقل پر مبنی اجتہاد کا ایک سادہ مذہب ہے
- ۱۲۔ غیر مسلموں کو اللہ کے پیغام سے آگاہ کرنا ہر مسلم فرد کا فرض ہے
- ۱۳۔ اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے میں ہر انسان با اختیار ہے
- ۱۴۔ اللہ نام کی یکتا ہستی ایک حقیقت ہے
- ۱۵۔ قرآن اللہ ہی کا کلام ہے
- ۱۶۔ اللہ کائنات کا مقتدر اعلیٰ ہے اور وہ ظلم نہیں کرتا
- ۱۷۔ حضرت محمدؐ آخری نبی ہیں
- ۱۸۔ اکیسویں صدی عیسوی میں اسلامی دنیا کی تذلیل کے ذمہ دار کون ہیں؟

اسلام ایک اُزلی مذہب ہے جو ابدی بھی ہے

مذہب اسلام کائنات (universe) کی ابتداء سے ہی چلا آ رہا ہے اور کائنات کے اختتام تک قائم رہے گا۔ اللہ اپنے متقی (pious) بندوں میں سے پے در پے ہزاروں کی تعداد میں، اپنے پیغمبر (messengers, رسول) مقرر کرتا رہا (۲۶:۵۷-۲۷) جن کے ذمہ اسلامی تصور حیات کا پیغام لوگوں تک ایک 'عمدہ طریقہ' سے پہنچانا اور اسے قبول کرنے کیلئے انہیں 'نصیحت' کرنا تھا، اسے اُن پر زبردستی نافذ کرنا نہیں تھا (۱۶:۱۶، ۲۱:۸۸-۲۲ وغیرہ)۔ اللہ کے تمام پیغام رسان مسلسل اپنی اُمتوں کو 'خالص' توحید (belief in the existence of one single God) اور نیک اعمال کے فوائد بتاتے رہے اور عقیدہ و عمل کے حوالہ سے، روز قیامت کے احتساب سے مُنتہی کرتے رہے (مُبَشِّرِینَ وَ مُنْذِرِینَ ۲:۲۱۳، ۴:۱۶۵، ۶:۲۸، ۱۸:۵۶)۔ اسی اِنتباہ کے باعث انہیں انبیاء کہا جاتا ہے۔ ہر قوم میں ایک نبی گذرا ہے (۱۰:۴۷، ۱۶:۳۶، ۳۵:۲۴)۔ واضح رہے کہ اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے میں ہر انسان با اختیار ہے اور یہی حق اختیار اللہ کی جانب سے اُس کی آزمائش ہے، دوسرے یہ کہ عیسائی حضرات نبی کو پرافٹ کہتے ہیں، جس کے معنی پیش گوئی (prophecy) کرنے والے کے ہیں۔

بعض انبیاء کو کچھ نمایاں کردار ادا کرنا پڑا۔ حضرت آدم اور ان کی زوجہ زمین پر پہلے انسان تھے اور وہ مسلمان تھے۔ توحید کا عقیدہ اس وقت خالص تھا اور زمین پر معاشرت میں سہولت کی غرض سے، اللہ نے حضرت آدم کو چیزوں کے نام بخت میں ہی سکھا دیئے تھے (۲:۳۱-۳۳)۔ یہی علم دورِ حاضر کی سائنس و ٹیکنالوجی کے مترادف ہے، گویا اسلام ابتداء سے ہی روحانیت اور مادیت کا امتزاج رہا ہے۔ حضرت آدم کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کر کے زمین پر انسانیت کے خلاف وحشیانہ ظلم کی ابتدا کر دی۔ پھر اللہ نے حضرت نوح کو اپنا پیغمبر چنا، تاکہ لوگوں کو بھلائی اور باہمی تعاون کی یاد دہانی کرائے۔

حضرت نوحؑ کی اپنی امت نے بعد میں، اپنے نیک بزرگوں کی شان میں مبالغہ کرتے ہوئے اُن کی مورتیاں بنالیں اور اس طرح بُت پرستی کا آغاز کیا۔ شرک ختم کرنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے بچوں کو توڑ ڈالا۔ حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ اللہ نے یہودیوں کو فرعون کی خدائی سے نجات دلا دی اور اُن پر اپنی نعمتیں نچھاور کیں، لیکن وہ بار بار عہد وفا توڑتے رہے اور حضرت عزیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے رہے (۳۰:۹)۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم کو خالص توحید کا پیغام دیا (۳۶:۱۹-۳۷:۵، ۳۱:۹، ۷۲:۵، ۱۷۱:۴)، لیکن عیسائیوں نے انہیں اللہ کا بیٹا اور زمین پر اپنا خدا قرار دیا۔ بعض عیسائیوں نے ترک دنیا (رہبانیت) اختیار کی (۲۷:۵۷)۔ عورت کی انسانیت مشکوک تھی اور ہزاروں کی تعداد میں عورتوں کو معمولی جرائم مثلاً جادو کے الزام میں زندہ جلایا گیا۔ عرب ممالک میں بُت پرستی زوروں پر تھی اور لوگ بچپن کو زندہ دفناتے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی کے اسی پس منظر میں، اللہ نے حضرت محمدؐ کو اپنا آخری پیغمبر ہونے کا اعزاز بخشا۔ انہوں نے بُت پرستی ختم کر دی، عورت کو مرد کے برابر انسان قرار دیا اور رُہبانیت اور نسلی امتیاز ختم کرتے ہوئے، انسانی مساوات اور عدل پر مبنی جمہوری نظام نافذ کیا۔ یہی دُور انسانیت کے لئے اندھیرے سے چھٹکارے کا ایک عظیم انقلاب ثابت ہوا۔ واضح رہے کہ حضرت محمدؐ کی وفات کے صرف تیس سال بعد خود مسلم افراد نے ہی جمہوری نظام کو شخصی نظام بلکہ موروثی بادشاہت میں تبدیل کر دیا۔

اللہ کہتا ہے اور ہم برابر پے درپے لوگوں کے لئے اپنا کلام بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (۵۱:۲۸)۔ اسلامی طرز حیات کا خاکہ، حالات و واقعات کے مطابق ہر نبی کو اللہ کی جانب سے پیغام (وَحْی، revelation) کے ذریعے موصول ہوتا رہا۔ تمام انبیاء انسان (بَشَر) تھے، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ وحی کسی نبی پر کس طریقہ سے اُتاری جاتی رہی؟ اس ضمن میں قرآن کہتا ہے اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے (یا لشفافہ) کلام کرے، مگر (نبی سے) الہام کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے، یا فرشتہ بھیجے اور وہ اللہ کا فرمودہ نبی تک پہنچا دے، بلاشبہ وہ بڑا عالی شان اور بڑی حکمت والا ہے (۵۸:۳۲)۔ اللہ کے یہ فرمودات (scripture) لوگوں نے کتابوں کی

شکل میں جمع کئے ہیں۔ ان مقدس کتابوں میں زبور، تورات، انجیل اور قرآن شامل ہیں۔ زبور، تورات اور انجیل کی تمام کتابوں کو اکٹھا کر کے، انہیں لوگوں نے بائبل کا نام دے دیا ہے۔ بہت سارے انبیاء کے صحائف ناپید ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ تمام کُتب و صحائف مقدس ہیں اور وہ ان سب پر ایمان رکھتے ہیں (۱۳۶:۴، ۲۸:۵)۔ نبیوں میں فرق کرنا حرام ہے (۲۸۵:۲، ۱۵۰:۴-۱۵۱)۔ قرآن یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب (people of scripture) کہتا ہے اور کہتا ہے جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت دوں، پھر تمہارے پاس (اگلا) رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اُسکی مدد کرنا ضروری ہے (۸۱:۳ اور ۶:۶۱)۔ قرآن مزید کہتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے بعض دوغلے علماء و مشائخ اپنی مقدس کتابوں میں کچھ رد و بدل کر چکے ہیں (۷۵:۲، ۱۳:۵، ۱۵:۴، ۲۷:۴، ۶۴:۱۶)، لہذا یہ کتب ان کی موجودہ شکل میں غیر موثر تصور ہوتی ہیں۔ ان کتابوں کی اصل زبان بھی ختم ہو چکی ہے جبکہ عربی دورِ حاضر میں بھی ایک موثر بین الاقوامی زبان ہے۔ قرآن حضرت محمدؐ کے دورِ نبوت ہی سے مسلسل متعدد مسلمانوں کو وحی کی اصل عربی زبان میں حفظ چلا آ رہا ہے، اس لئے یہ کتاب تخریف سے محفوظ ہے۔ وحی کے مطابق اس کتاب کی نگہبانی خود اللہ نے اپنے اُتے لی ہے (۹:۱۵، ۲۱:۴۱-۲۲) اور دین اسلام کو حضرت محمدؐ کے دورِ نبوت میں ہی 'کامل' کر دیا ہے (۳:۵)۔ اسی لئے اُن کے بعد کسی رسول کی ضرورت بظاہر باقی نہیں رہی۔ غالباً اسی وجہ سے سلسلہ رسالت کو سرِ بمہر کرتے ہوئے، اللہ نے حضرت محمدؐ کو آخری اور ختمی نبی (خاتم النبیین، the final one of all messengers) قرار دیا ہے۔ وہ قرآن اور اپنی سُنّت، اسلامی شریعت کی شکل میں پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اب یہ ہر مسلم فرد کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کی بندگی کرنے سے متعلق، اللہ کا پیغام اپنے ہمعصر غیر مسلم بھائی بہنوں کو عمدہ طریقہ سے پہنچاتا رہے (۱۱۰:۳، ۱۲۵:۱۶، خطبہ حجۃ الوداع)، تاکہ روزِ قیامت کے احتساب میں اُن کا بھی بھلا ہو۔

غیر مسلم پوچھتے رہتے ہیں کہ کیتھولک عیسائی، پوپ کو چرچ کا سربراہ مانتے ہیں، اسلام میں اس قسم کا مرکزی کردار کون ادا کرتا ہے؟

اسلام اللہ کا دین ہے اور یکساں طور پر کرۂ ارض کے تمام انسانوں کیلئے ہے، کوئی ایک انسان اس کا سربراہ نہیں بن سکتا۔ حضرت محمدؐ اسلامی شریعت کی تشریح کر چکے ہیں۔ پھر بھی بدلے ہوئے وقت کے تقاضوں کے مطابق، کوئی نئی صورتحال یقیناً پیش آ سکتی ہے، مگر اس سے اجتہاد کے ذریعے نئے کی سہولت شریعت میں موجود ہے۔ واضح رہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی عیسائیت کا پیشوا نہ تو کسی کو نامزد کیا تھا اور نہ اس کا کوئی اشارہ دیا تھا۔ البتہ انہوں نے اپنے بعد ایک رسول آنے کی پیش گوئی کی تھی، قرآن کہتا ہے اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے، پھر وہ جب ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے، یہ تو گھلا جادو ہے (۶:۶۱)۔

انسان بھی عجیب مخلوق ہے۔ حضرت نوحؑ کے ہمراہ جن لوگوں کو اللہ نے سیلاب سے بچا لیا ان ہی کی اولاد نے بت پرستی کی شکل میں شرک اختیار کیا اور کہتے رہے کہ ہم توحید پر قائم اللہ کے سچے اور مخلص بندے ہیں۔ ہنود ۳۳ کروڑ سے زائد مخلوق کی صورتوں کو سامنے رکھ کر پوجا کرتے ہیں، ان میں سے بعض لوگ مذہب کے اجارہ دار بن کر دوسروں کا استحصال کرتے رہے لیکن پھر بھی کہتے رہے کہ ہم ایک ہی بھگوان کے سچے اور مخلص بندے ہیں۔ پارسی بھلائی کا خدا الگ اور بُرائی کا خدا الگ مانتے ہیں اور انہیں ایک ہی خدا کے دو منظر تصور کرتے ہیں۔ یہودیوں نے من و سلویٰ کو ٹھکراتے ہوئے اللہ سے دال و پیاز مانگا، بارہ فرقوں میں تقسیم ہوئے اور ایک دوسرے کے خلاف رومی حکمرانوں کو دعوت دیتے رہے۔ حضرت عیسیٰؑ کو قتل کروایا، حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھوایا اور حضرت عزیزؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہوئے شرک اختیار کیا، مگر کہتے رہے کہ ہم توحید پر قائم اللہ کے سچے اور مخلص بندے ہیں۔ عیسائیوں نے اللہ کی نعمتوں کو ٹھکراتے ہوئے خانقاہیت (رہبانیت) اور تثلیث (Trinity) کی شکل میں شرک اختیار کیا۔ ان کے علماء و مشائخ نے خدائی حق حکمرانی کا دعویٰ کیا، قوم کو فرقوں میں تقسیم کیا جو ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے۔ آخر کار سیکولر ازم اپناتے ہوئے عیسائیوں نے بائبل کو چرچ تک محدود کر دیا، مگر

کہتے رہے کہ ہم توحید پر قائم اللہ کے سچے اور مخلص بندے ہیں۔ بعض مسلمانوں نے تصوف کے باعث، عقیدہ وحدت الوجود اور وسیلہ کا تصور اپنایا، حضرت محمدؐ کی شان میں مبالغہ آرائی کرتے رہے اور قبر پرستی کی شکل میں توحید سے متضاد بدعتیں ایجاد کیں، جس سے وہ سادہ لوح عوام کا استحصال کرتے رہے۔ بعض مسلمان آئمہ اور اولیاء کے مثل نبی ہونے پر یقین کرتے رہے جبکہ بعض دوسرے اپنے آپ کو پیغمبر کہتے رہے اور دوسرے مسلمان ان کی اطاعت کرتے رہے۔ بعض مسلم علماء نے بھی امت کو فرقوں میں تقسیم کیا اور ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے، مگر کہتے رہے کہ ہم نبی کے ورثا اور اللہ کے مخلص بندے ہیں۔ ہر قوم میں سے اکثریت ایسے مذہبی پیشواؤں کی ہے جو کلام الہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نہ صرف تفرقہ بازی کے باعث اپنی قوم کے اندر نفرتیں پھیلاتے ہیں اور انتہا پسند افراد پیدا کرتے ہیں بلکہ بین المذاہب نفرتوں کے بھی ذمہ دار ہیں۔ مقدس کلام انسانیت کے نام مالک حقیقی کا پیغام ہے، اسے انبیاء کی مانند ہر مذہب کے علماء نے بلامعاوضہ لوگوں تک پہنچانا تھا لیکن انہوں نے اسے اپنا ذریعہ معاش بنا لیا۔ مزید یہ کہ اپنی خدمات کو قوم کے لئے ناگزیر ثابت کرنے کے لئے انہوں نے انسانی افکار پر مبنی مواد کے ذریعہ دین میں اس قدر رنگی ڈالی کہ لوگ مذہب سے نالاں ہوئے۔ پھر بھی یہ حضرات کہتے رہے کہ ہم مالک حقیقی کے مخلص بندے اور اس کے کلام کے محافظ ہیں۔ قرآن درست ہی تو کہتا ہے انسان بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے (۷۲:۳۳)۔

اسلام ایک جامع تصور حیات ہے

انسانی طرز معاشرت (دین، تہذیب، way of life) کے دو شعبے ہیں، ایک شعبہ روحانیت (spirituality) کا ہے اور یہ مذہبی عقائد و فرائض سمیت سماجی کردار (conduct of socio-religious behaviour) پر مشتمل ہے۔ سماجی کردار کا تعلق اخلاقیات (morality) اور خدمتِ خلق (social welfare) سے ہے۔ خدمتِ خلق یا مخلوقات سے ہمدردانہ معاملات (احسان، compassion) سے مراد

کسی کی دلجوئی کیلئے ایک مسکراہٹ سے لے کر، اپنی تمام نیک خواہشات اور مالی و جسمانی توانائیاں معاشرہ پر صرف کرنا ہے۔ انسانی طرز معاشرت کے دوسرے شعبے کا تعلق مادیت (materialism) یا دنیا داری سے ہے، اس میں معیشت اور سیاست (حکمرانی) شامل ہیں۔ اکیسویں صدی عیسوی میں اسلام اور سیکولر ازم (secularism) دنیا کے دو بڑے تصور حیات ہیں۔

اسلامی تصور حیات پر مبنی طرز معاشرت یا اسلامی تہذیب کی بنیاد حکمت الہی (divine wisdom) ہے۔ کتاب الہی (قرآن) انسان کا مقصد حیات اپنے مالک حقیقی (اللہ) کی بندگی میں، انسان کی آزمائش قرار دیتا ہے (۵۶:۵۱، ۲:۶۷)۔ اسلام روحانیت اور مادیت کے ایک متوازن امتزاج کا تصور حیات ہے، یہ دین زندگی کے ان دونوں شعبوں کو لازم و ملزوم سمجھتا ہے۔ اسلامی تہذیب کا رہنما اصول 'اعتدال' اور اس کا قانون 'اسلامی شریعت' ہے۔ اعتدال سے مراد ہر معاملہ میں اعتدال پسندی ہے خواہ یہ ثقافت میں روشن خیالی یا رواداری ہو، انتقامی کارروائی ہو یا مادیت کا معاملہ ہو۔

سیکولر تصور حیات پر مبنی طرز معاشرت یا سیکولر تہذیب کی بنیاد حکمت انسانی ہے۔ سیکولر ازم مادیت تک محدودیت کا نام ہے۔ ایک سیکولر معاشرہ مذہبی پابندیوں سے آزاد (liberal) ہوتا ہے، مذہبی عقائد و فرائض کی پیروی کرنا ہر فرد کی اپنی صوابدید ہوتی ہے۔ مذہب سے لاتعلقی ہی اس تصور حیات کا اصول ہے اور انفرادی انسانی عقل اس کا قانون ہے۔ مذہب سے لاتعلقی کا یہ تصور حیات ادھورا ہے، اس کی مثال ایک بے روح جسم کی سی ہے۔ سوشلزم، کمیونزم اور فاشیزم سمیت سیکولر ازم کی بنیاد، پندرہویں صدی عیسوی کی ایک فکری تحریک کا فلسفہ ہیومنزم (انسان دوستی، humanism) ہے، جو دنیاوی لذتوں کے حصول کو ہی انسان کا مقصد حیات سمجھنے کا نظریہ ہے۔ اس لامحدود لذت پرستی یا مادہ پرستی کے نظریہ حیات میں لامحدود جنسی آزادی کو ثقافت کا معیار سمجھا جاتا ہے اور اسے روشن خیالی (enlightenment) کہا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کی اس آزادی کا احترام، معاشرہ کی رواداری (tolerance) تصور کی جاتی ہے۔ اکیسویں صدی عیسوی میں مغربی تہذیب عروج پر ہے اسی لئے سیکولر ازم کو دوسرے ازموں (...isms) پر فوقیت حاصل

ہے، اور مغربی معاشرہ کی ثقافت میں سیکولر روشن خیالی اور رواداری کو مغربیت (westernisation) کہا جاتا ہے۔ اسلامی تصور حیات میں معاشرہ کا امن و سکون بھی 'انسان دوستی' ہی ہے۔ نظریہ ہیومنزم پندرہویں صدی عیسوی کی انسانی فکر پر مبنی ہے جبکہ روشن خیالی اور رواداری کائنات کی ابتداء ہی سے انسانی زندگی کے لئے تصور الہی کا حصہ ہیں، ساتویں صدی عیسوی میں حضرت محمدؐ نے انہیں مزید اجاگر کیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سیکولر تہذیب مذہب سے آزاد (liberal) ہے اسی لئے اس کی روشن خیالی بے لگام ہے جبکہ حکمت الہی روشن خیالی کو معاشرہ کی شائستگی (حیا، modesty) تک محدود کر دیتی ہے، یہی انسان کیلئے ایک متوازن طرز عمل بھی ہے۔ شائستگی کے بعد فحاشی (obsenity) شروع ہو جاتی ہے جو معاشرہ کی بے قدری اور فتنہ و فساد کا باعث ہے۔ واضح رہے کہ ثقافت کے حوالہ سے، اسلام میں تنگی (rigidity) جو نظر آتی ہے، اس کی وجہ انسانی افکار ہیں، حکمت الہی نہیں۔ قرآن انسان کو طرز معاشرت میں آسانی (flexibility) پیدا کرنے کی بار بار تاکید کرتا ہے مثلاً 'اے محمد! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے' (۲۸:۳)، 'اللہ تم پر کوئی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا' (۶:۵) اور (۷۸:۲۲) اور 'اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا' (۱۸۵:۲)۔ غیر ضروری باریکیوں کے بارے میں سوالات پوچھنے سے اللہ نے منع کیا ہے کہ کہیں مشکل احکام نازل نہ کرنے پڑیں (۱۰۱:۵)۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا 'مسلمانوں میں بڑا مجرم وہ ہے جس کے سوال پوچھنے پر کوئی چیز حرام کر دی گئی جبکہ اس سے قبل وہ حلال تھی' (بخاری، مسلم) اور 'دین میں آسانی پیدا کرو، لوگوں کو خوشخبری سنا دو اور ان کو دین سے متنفر نہ کرو' (بخاری)۔ لیکن دین میں آسانی پیدا کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیکولر تہذیب کی ثقافت کو فروغ دیا جائے۔

مذہب اسلام کی پانچ امتیازی خصوصیات ہیں

اسلام انسان کے لئے ایک ایسا تصور حیات ہے جو خالق کائنات کو اس کے وجود اور

اوصافِ خدائی میں لاشریک اور مذہب و دنیا داری کو لازم و ملزوم سمجھتا ہے۔ اسلام کی مندرجہ ذیل پانچ خصوصیات اسے موجودہ غیر اسلامی مذاہب سے میسر کرتی ہیں۔

۱۔ اسلام 'خالص' توحید کا مذہب ہے

خالصاً ایک اللہ ہی کو عبادت کے لائق (معبود، Deity)، کائنات کا مقتدرِ اعلیٰ (Sovereign) اور جملہ مخلوقات کا پالنے والا (رب، Sustainer) ہونے پر یقین رکھنے کو عقیدہ توحید (belief of monotheism) کہا جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے 'اس ہستی کے مثل کوئی شے نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والی ہے' (۱۱:۴۲) اور 'کہہ دیجئے (اے محمد!) کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اُس جیسا ہے' (۱:۱۱۲-۴ اور ۵۱:۱۶)۔ کسی انسان یا دوسری مخلوق کو اللہ کے وجود یا اوصافِ خدائی میں اس کا شریک ماننا اس عقیدہ کی خلاف ورزی ہے، اسے شرک (polytheism) کہا جاتا ہے۔

ہندو خدا (بھگوان) ایک مانتے ہیں لیکن اُس تک رسائی کے لئے بھوں کے وسیلہ ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہودی حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور موحد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا، زمین پر انسان کی روپ میں خدا اور روحِ الہی (holy spirit) مانتے ہیں اور اس طرح ان تین عناصر (Trinity، تثلیث) پر مشتمل ہستی کو توحید سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ وہ انہیں ایک خدا کے تین مظہر تصور کرتے ہیں۔ تاریخی شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیت میں تثلیث، سینٹ پال کی ایجاد (interpolation) ہے۔ یہ بااثر یہودی، حضرت عیسیٰؑ کے بڑے مخالف تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد، پال نے اچانک ایک دن عیسائیت قبول کرنے کا اعلان کیا اور بالآخر اس مذہب کا اقتدار سنبھال لیا۔ عقیدہ تثلیث کے بارے میں قرآن کہتا ہے 'اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو اور اللہ پر سچ کے سوا کچھ نہ کہو، عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اُس کے ایک کلمہ ہے جسے اللہ نے مریم کو پہنچایا تھا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہے، پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ اللہ تین ہیں، اس سے باز آ جاؤ، تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اللہ

عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کارساز ہونے میں کافی ہے' (۱۷۱:۴)۔

۲۔ اسلام مذہب اور دنیا داری کو لازم و ملزوم سمجھتا ہے

اسلام زندگی کو روحانیت اور مادیت کی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت قرار دیتا ہے۔ اس ہمہ گیری اور کثیر الجہتی (universality, diversity) کے باعث، اسلام کو دینِ فطرت (natural way of life) اور اسلامی شریعت کو ایک مکمل ضابطہ حیات (complete code of life) کہا جاتا ہے۔ موجودہ غیر اسلامی مذہب کا دائرہ کار روحانیت تک محدود ہے جبکہ سیکولر معاشرہ نے مادیت تک محدود طرزِ معاشرت اپنایا ہوا ہے۔ واضح رہے کہ اسلام میں لباس سمیت ثقافت میں ایک مصنوعی انداز اپنانے یا مذہبی اور مادی علوم کو الگ الگ سمجھنے کی وجہ انسانی افکار ہیں، حکمتِ الہی (قرآن) نہیں۔

۳۔ اسلام سماجی مساوات کا مذہب ہے

اسلام انسانوں میں رنگ و نسل کی تمیز نہیں کرتا کیونکہ کرۂ ارض پر تمام انسان ایک ہی خالق کی مخلوق اور ایک ہی شخص، حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں (۱۸۹:۷، ۱:۴)۔ دوسرے یہ کہ ایک اللہ ہی جملہ انسانیت کا حقیقی مالک اور پالنے والا (رب) ہے اسی لئے رنگ و نسل میں امتیاز کئے بغیر، سب انسان اللہ کی نظر میں یکساں ہیں۔ تیسرے یہ کہ انسان کا مقصد حیاتِ اللہ کی بندگی میں اُس کی آزمائش ہے (۵۶:۵۱، ۲:۶۷)، اسی لئے اللہ کے نزدیک کسی فرد کی برتری کا معیار اسی فرد کے ذاتی نیک اعمال ہیں، اس کا رنگ یا نسل نہیں۔ روزِ قیامت (یَوْمُ الْقِيَامَةِ، Day of Resurrection) اللہ کے سامنے ہر فرد اپنے ہی اعمال کا ذمہ دار ہوگا (۱۶:۵۲، ۴۶:۴۱، ۳۹:۵۳ وغیرہ)۔ قرآن کہتا ہے 'انسان سب کے سب قیامت کے دن اکیلے اللہ کے پاس حاضر ہونے والے ہیں' (۹۵:۱۹)۔ قرآن میں اللہ عربوں یا کسی دوسری نسل سے مخاطب نہیں بلکہ کہتا ہے 'اے (کرۂ ارض کے) لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے، تمہارے خاندان اور قبیلے اس لئے بنائے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو (نہ کہ نفرت کرو)،

اللہ کے نزدیک تو تم میں سے وہی فرد برتر ہے جو اللہ کا خوف (تقویٰ) رکھتا ہو (۱۳:۴۹ اور ۱۸:۷)۔ عدل کے بارے میں، اللہ قرآن میں کہتا ہے 'ہم نے تمام رسولوں کو (اپنی خدائی کی) صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں (۲۵:۵۷ اور ۴۲:۱۷، ۵۸:۴ و ۸۵ و ۱۰۵ و ۱۰۷ و ۱۳۵، ۸:۵، ۱۷:۱۷، ۳۵:۱۷، ۵۵:۷-۹ وغیرہ)۔ کسی شخص کے لئے قانون میں استثنیٰ (immunity) رکھنا اسلامی تصور نہیں۔

ہندو مذہب ذات پات جیسی انسانی درجہ بندی پر یقین رکھتا ہے۔ بنیاد پرست یہودی حضرت یعقوب کی اولاد اور بنیاد پرست عیسائی سفید رنگ کے عیسائیوں کو برتر نسل مانتے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن کہتا ہے 'یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بچے اور اس کے محبوب ہیں..... نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو' (۱۸:۵) اور 'نہ اللہ سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا' (۳:۱۱۲)۔ قرآن مزید کہتا ہے کہ یہود، نصاریٰ یا کوئی دوسری نسل اللہ کی چہیتی نہیں (۶۲:۲ و ۱۱۲، ۶۹:۵)۔

اسلام میں ملائیت سمیت، کسی طبقاتی نظام کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ کسی مسلم فرد کے لئے علم سیکھنا اور اسے دوسروں تک منتقل کرنا اس کا فرض ہے اور یہ نیک عمل اس کے ذاتی مفاد میں ہے، اسے مذہبی پیشوائیت تو درکنار ایک عالم دین کہلوانے کی اہلیت سمجھنا بھی درست نہیں۔ قرآن کہتا ہے 'ہر عالم سے بڑھ کر ایک عالم موجود ہے' (۷۶:۱۲) اور 'جو بھی ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُن کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے' (۶۹:۲۹)۔ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ میں سے کسی نے بھی مذہبی پیشوا نامزد نہیں کئے اور نہ ان کے لئے وصیت کی ہے۔ ہر مذہب میں ملائیت (clergy، علماء) کا مروجہ نظام انسانوں کی ایجاد ہے، حکمت الہی نہیں۔ قرآن کی رہنمائی میں اپنا مقصد حیات معلوم کرنا اور عقیدہ و عمل کے لئے راہ کا تعین کرنا ہر انسان کی ذاتی ذمہ داری ہے (۳۶:۱۷، ۱۹۰:۳-۱۹۱)، اور وہ اس میں باختیار ہے۔ مزید رہنمائی کے لئے اللہ فرماتا ہے 'اور یقیناً (اے لوگو!) رسولؐ کی طرز زندگی تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے' (۲۱:۳۳)۔ ایک اہل علم کا فرض ہے کہ وہ ہر نیک شخص کی رہنمائی کرے اور گھلے گمراہوں کو ان کے مقصد حیات سے

تبلیغ کے ذریعہ آگاہ کرتا رہے۔ اپنے کلام کی حفاظت کے بارے میں اللہ فرماتا ہے 'ہم نے ہی اسی قرآن کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں' (۹:۱۵) اور اللہ کے کلام میں کسی انسان کو تبدیلی کا اختیار نہیں (۳۴:۶ و ۱۱۵، ۱۸:۲۷)، حکمت الہی (divine wisdom) ہر صورت انسانی عقل (human wisdom) پر مقدم رکھنا انسان کے لئے لازم ہے۔ واضح رہے کہ تصوف اسلامی تصور حیات کا حصہ نہیں ہے، اسی لئے اسلامی شریعت پیری (sainthood) اور مریدی پر مبنی مشائخ نظام (خانقاہیت monasticism) سے لاتعلقی ہے۔

۴۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے

حضرت محمدؐ عربوں کے لئے نہیں بلکہ تمام جہان کے لوگوں کے لئے اللہ کے پیغام رساں تھے (۱۵۸:۷، ۱۷:۱، ۲۵:۱، ۷۹:۲، ۳۲:۳۲، ۲۸:۲۱، ۱۰۷:۱) اور قرآن گِراءِ ارض پر آباد تمام انسانوں کے لئے اللہ کا پیغام ہے (۳۹:۱، ۱۴:۱، ۴۰:۱، ۳۸:۸، ۲۷:۸۱، ۵۱:۲۸)۔ اس طرح اسلام گِراءِ ارض پر اللہ کے تمام بندوں کے لئے اُس کا دین ہے، جس کا جی چاہے، خلوص نیت کے ساتھ لا الہ الا اللہ (there is no deity save Allah) کہہ کر اسلام میں داخل ہو جائے (۲۷:۸۱، ۲۵:۷)۔ اسلام چونکہ کائنات کی ابتدا ہی سے چلا آ رہا ہے، اس لئے دورِ حاضر میں ایسے نو مسلم شخص کے لئے مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ (Muhammad is His messenger) کہتے ہوئے، حضرت محمدؐ کو آخری پیغمبر تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ کسی شخص کا مذہبی عقیدہ، بندہ اور اس کے مالک کے درمیان باہمی راز و نیاز کا معاملہ ہے، اس لئے قبولیتِ اسلام کے لئے کسی شخصیت کی اجازت، کسی خاص جگہ یا حالت کا تعین یا کسی دوسرے تکلف کی ضرورت ہی نہیں۔ کسی غیر مسلکی مسلم دوست سے مذہبی عقائد و فرائض میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ واضح رہے کہ انتظامی ضرورتوں کے تحت مادیت علاقائی ہو سکتی ہے لیکن روحانیت کے حوالہ سے، اسلام کوئی جغرافیائی حدود نہیں رکھتا۔ یہ ایک عالمگیر بھائی چارے کا مذہب ہے اور یہی بھائی چارہ تبلیغ اسلام کے لئے بھی ایک اچھا موقع فراہم کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی نبی کے پیروکاروں کو اجتماعی طور پر اُمت کہا جاتا ہے اور ملت کے لغوی معنی دین

کے ہیں، جبکہ قوم کا تعلق کسی جغرافیائی حدود کے اندر مادیت سے ہے، اسے وطنیت بھی کہا جاتا ہے۔

غیر اسلامی مذاہب میں سے عیسائیت عالمی ہے جبکہ یہودیت نسلی اور ہندومت ایک علاقائی مذہب ہے۔

غیر مسلم سوال اٹھاتے ہیں کہ اسلام اگر پوری انسانیت کے لئے ہے تو غیر مسلموں کو مکہ یا مدینہ (سعودی عرب) میں داخل ہونے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی ہے؟ کیا یہ انسانیت سے نفرت نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین عرب نے خانہ کعبہ (بیت اللہ) کو بت خانہ بنایا تھا اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اس لئے فتح مکہ (۲۰ رمضان ۸ھ) کے فوراً بعد یہ آیت نازل ہوئی 'اے مومنو! یقیناً مشرکین ناپاک ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد الحرام کے قریب نہ آنے پائیں' (۲۸:۹)۔ اسی وقت سے مسلمان اس حکم پر عمل کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے اور وہ علم و حکمت والا ہے۔ اس سے ممکنہ فساد کا تدارک بھی مقصود ہے۔ تاہم بعض مسلمان 'مشرکین' سے مراد اُسی وقت کے عرب مشرکین (Arab pagans) ہی لیتے ہیں اور اسی آیت کے اگلے حصہ کے علاوہ، قرآن سے چند دوسرے دلائل بھی پیش کرتے ہیں مثلاً 'اے مومنو! جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو..... اور جو تم سے سلام علیک کرے تو اسے یہ نہ کہو کہ تم ایمان والے نہیں..... پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا' (۹۴:۴) اور 'جب تمہیں کوئی (مسلم یا غیر مسلم) سلام کرے تو اس سے اچھے الفاظ میں اسے سلام کرو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو، بلاشبہ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے' (۸۶:۴)۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے مشرک باپ سے سلام علیک کہا اور ان کی بخشش کیلئے، اپنے رب سے دعا کرتے رہے (۱۹:۴۷)۔ جاہل لوگوں کے بہکاوے میں آ کر بعض مسلم افراد غیر مسلم افراد سے نفرت ضرور کرتے ہیں لیکن یہ اسلام کا تصور نہیں، اسلام دین دعوت ہے اور غیر مسلموں کو حقیر سمجھتے ہوئے انہیں دعوت دینا ممکن ہی نہیں۔

۵۔ اسلام گناہ کے لئے کسی کفارے کا تصور نہیں رکھتا

اسلامی عقیدہ کے مطابق ہر بچہ، خواہ وہ کسی غیر مسلم گھرانے میں ہی پیدا ہوا ہو،

فطرتاً مسلمان (موجد) ہوتا ہے۔ بڑا ہونے پر اگر وہ والدین کے ماحول سے متاثر ہوتے ہوئے غیر مسلم ہو جاتا ہے یا مسلمان رہتے ہوئے بُرائیاں کرتا ہے، تب وہ گنہگار ہو جاتا ہے۔ قرآن کے مطابق انسان کے گناہ صرف اللہ ہی معاف کر سکتا ہے (۲۵:۴۲) اور انسان اپنی کسی خطا کے ازالے کے لئے، صرف توبہ و استغفار ہی کر سکتا ہے (۱۳۵:۳)، (۱۰۴:۹)۔ تَوْبَةُ (repentance, regret) سے مراد اپنی خطا پر پشیمانی کا احساس ہے جبکہ اپنی کسی خطا پر اللہ سے معافی مانگنے کو عربی میں اِسْتِغْفَار (apology from Allah) کہا جاتا ہے۔

قرآن کے مطابق حضرت آدمؑ اور اُن کی زوجہ دونوں مل کر (۳۶:۲ و ۲۲:۷) جنت میں ایک ممنوعہ درخت کے پاس گئے تھے، جرم کا ارتکاب کرنے پر دونوں اسی وقت ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہوئے (۱۱۵:۲۰)۔ یہ دونوں زمین پر بھیجے گئے جہاں اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی (۳۵:۲-۳۷)۔ مزید یہ کہ والدین کی جرم کی سزا اولاد کو نہیں مل سکتی کیونکہ ہر انسان اپنے ہی اعمال کا ذمہ دار ہے (۵۴:۳۶، ۱۶:۵۲ وغیرہ)، اسی لئے ہر بنی آدم بچہ گناہ سے پاک پیدا ہوتا ہے۔

عیسائی عقیدہ کے مطابق، آدمؑ کی زوجہ 'حواء' نے اکیلے جنت میں ایک ممنوعہ درخت کے پاس جا کر اس کا پھل حضرت آدمؑ کو کھلایا۔ گویا اس جرم کی ذمہ دار عورت ہے۔ اسی جرم (The Original Sin) کے باعث، ان کی اولاد (بنی آدم) پیدائشی مجرم ہے۔ حضرت عیسیٰ نے سولی پر چڑھ کر انسانوں کے اس جرم کا کفارہ ادا کیا، اسی لئے انہیں اس گناہ کی سزا سے نجات (salvation, فلاح) مل گئی ہے۔ اب پادری حضرات کسی شخص کا اعتراف سننے کے بعد، اُس کے گناہ معاف کرنے یا خدا سے اسے معاف کروانے کے مجاز ہیں۔ بعض عیسائی نفس کو اذیت دینے (رُہبانیت) کے ذریعے گناہوں سے نجات پانے پر یقین رکھتے ہیں۔ ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ (اواگون) کے مطابق بھی انسان پچھلے جنم کی آلائشوں کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے اور رُہبانیت کو ان گناہوں سے نجات کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ عقیدہ تناسخ (transmigration of soul) بظاہر ایک انسانی نظریہ ہے کیونکہ یہ ہندوؤں کی قدیم سنسکرت زبان میں مقدس کتابوں سے

ثابت نہیں ہے۔

غیر اسلامی مذاہب دراصل اسلام ہی کی منحرف شاخیں ہیں

مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام خالق کائنات کا دین ہے جو حضرت آدمؑ کے وقت سے چلا آ رہا ہے۔ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ سمیت تمام انبیاءؑ لوگوں کو اسلام کی ہی تبلیغ کرتے رہے (۷۲:۱۰، ۸۴:۲، ۱۳۱:۲، ۱۳۲:۱۲، ۱۰۱:۱۲، ۱۱۱:۵)۔ حضرت موسیٰؑ کی امت نے اسلام کو اپنی نسل سے منسوب کرتے ہوئے اسے یہودیت کہا جبکہ حضرت عیسیٰؑ کی امت نے اسے عیسائیت کا نام دے دیا۔ بعض منافقین نے ان دونوں امتوں کے عقیدہ توحید میں رد و بدل کر کے اسے مشرکانہ بنا دیا۔ حضرت محمدؐ نے توحید کو خالص کر دیا جبکہ ان کی امت نے اپنے دین کو اسلام کے نام سے ہی جاری رکھا۔

تمام انسان ایک ہی خالق کی مخلوق اور ایک ہی باپ، (حضرت آدمؑ) کی اولاد ہیں اور حضرت نوحؑ کے وقت تک خالص توحید پر قائم ایک ہی امت تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ لوگ، ذاتی افکار کی بنا پر یا گمراہ لوگوں کی سازشوں کے تحت، مکاتب فکر (offshoot schools of thought) میں تقسیم ہوتے چلے گئے۔ ان میں اکثریت اللہ کے وجود یا خدائی میں کسی مخلوق کو اس کے شریک کرنے والوں کی ہے۔ قرآن کہتا ہے (اے محمد!) یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں پس تم میری بندگی کرو۔ مگر لوگوں نے آپس میں اپنے دین میں فرقہ بندیاں کر لیں (۹۲:۲۱-۹۳ اور ۵۲:۲۳-۵۳، ۳۲:۳۰، ۲۱۳:۲، ۱۹:۱۰)۔ (اے محمد!) اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے اور جس کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا (۱۳:۳۲)۔ ہم نے ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے (۶۴:۴)۔ کہہ دیجئے! میں کوئی نیا انوکھا رسول نہیں (۹:۳۶)۔ (اے محمد!) آپ سے وہی کہا جاتا ہے

جو آپ سے پہلے رسولوں سے بھی کہا گیا ہے (۴۳:۳۱)۔ ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب کو یہی وحی نازل کی، کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم سب میری ہی بندگی کرو (۲۵:۲۱)۔ سب مل کر اللہ کی رسی (کتاب) کو تھام لو اور فرقے فرقے نہ ہو جانا (۱۰۳:۳)۔ (اے محمد!) جن لوگوں نے دین میں فرقے بنا لئے، تمہارا ان سے کوئی واسطہ نہیں (۱۵۹:۶) اور تفرقہ باز لوگوں کے لئے عذاب عظیم ہے (۱۰۵:۳)۔

اسلام خالص توحید کا مذہب ہے جبکہ دوسرے مذاہب کی توحید میں شرک کا عنصر شامل ہے۔ مادیت میں اس کا غیر اسلامی مذاہب سے اختلاف سود اور سٹے (speculation) کے کاروبار میں ہے، جسے اسلام محتاجوں کا استحصال سمجھتا ہے۔ خدمتِ خلق پر تمام مذاہب ایک جیسا موقف رکھتے ہیں۔ سیکولر ازم مذہب نہیں بلکہ مذہب سے لائق کا، انسانی عقل پر مبنی ایک ادھورا تصور حیات ہے، جو مادیت تک محدود ہے۔ بیشتر سیکولر افراد اللہ کے وجود کے قائل ہیں مگر اللہ کی حکمت (divine wisdom) کو اپنی حکمت پر مقدم نہیں سمجھتے۔ مذہب سے لائق ہونے کے باعث، سیکولر معاشرہ بے لگام روشن خیالی پر یقین رکھتا ہے جبکہ اسلام ثقافت سمیت زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال چاہتا ہے۔

تمام غیر اسلامی مذاہب کا تعلق چونکہ خالق کائنات اور بنیادی طور پر اُسی کے دین، اسلام سے ہے، اسی لئے ان مذاہب اور اسلام میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ مسلمان بائبل کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب مانتے ہیں۔ یہ مقدس کتابیں اور قرآن ایک ہی ہستی کی جانب سے ہیں، اسی لئے ان میں کافی مماثلت موجود ہے سوائے بائبل کے ان حصوں کے، جن میں رد و بدل کر لیا گیا ہے (۴۱:۲-۴۲ و ۷۴:۱۰، ۷۴:۱۰)۔ قرآن کہتا ہے ہم نے (اے محمد!) آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) حق کے ساتھ اتاری، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے (۲۸:۵)۔ اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لئے اتارا ہے کہ آپ ان کیلئے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ کتاب رہنمائی اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو اس پر یقین رکھتے ہیں (۶۴:۱۶) اور اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ

کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہوں، اور ان سے کہو کہ ہمارا اس کتاب پر ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور ان پر بھی جو تم پر اتاری گئی ہیں ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم سب اُسی کے فرمانبردار (مسلم) ہیں (۲۶:۲۹)۔

قرآن میں یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب (people of scripture) کہا گیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے 'یہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں، ان اہل کتاب میں سے کچھ لوگ (خالص توحید پر) قائم رہنے والے بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور (اُسے) سجدے کرتے ہیں' (۱۱۳:۳ اور ۱۹۹:۳)۔ 'ہند' ایک جغرافیائی خطے کا نام ہے، اس پر بسنے والے یعنی ہندوؤں کی مقدس کتابوں بشمول ویدائیت، میں 'خالص' توحید سمیت اسلام کے پانچوں عقائد کے اشارے موجود ہیں، لیکن انہیں نہ اہل کتاب کہا گیا اور نہ ان کے کسی اوتار کا قرآن میں کوئی ذکر موجود ہے۔ تاہم ہندومت ایک قدیم مذہب ہے اور قرآن ہزاروں کی تعداد میں انبیاء اور ہر قوم میں ایک رسول بھیجنے کی تصدیق کرتا ہے (۲۴:۳۵، ۲۶:۱۶، ۳۶:۱۰، ۴۷:۱۰ وغیرہ) اور کہتا ہے 'ہم پے در پے لوگوں کے لئے اپنا کلام بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں' (۵۱:۲۸)۔ بہت سارے ہندو 'برہمن' لفظ کو ابراہیم سے جوڑتے ہیں۔ بدھ مت اور سکھ مت دونوں ہندو مذہب کی منحرف شاخیں ہیں۔ توحید کے عقیدہ پر سکھ مذہب اسلام کے قریب تر ہے۔ اس طرح تمام مذاہب اگرچہ ایک جیسے نہیں، لیکن یہودیت، عیسائیت، ہندو مذہب اور اسلام میں بڑی مماثلت موجود ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء اور کتب الہیہ (divine books) میں اگر بڑی مماثلت موجود ہے تو پھر موجودہ تمام مذاہب مل کر ایک ہی مذہب کیوں نہیں بنتے؟ اور مختلف امتوں کے درمیان تعصب اور نفرت کیوں موجود ہے؟

مذہب اسلام کا بنیادی عقیدہ 'خالص' توحید ہے جبکہ دوسرے مذاہب کی توحید میں شرک کا عنصر موجود ہے، اسی لئے قرآن کہتا ہے کہ اللہ کو اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین قبول نہیں (۱۹:۳ و ۸۵) اور مشرکین کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں کہ اللہ کے سوا دوسرا

بھی کوئی معبود ہو سکتا ہے (۲۶:۶، ۲۷:۲۷، ۲۸:۲۳، ۲۹:۲۳، ۳۰:۲۳، ۳۱:۲۳)۔ قرآن حضرت عیسیٰ کی اُلُوہیت (divinity) کی نفی کرتا ہے (۱۷:۵ و ۱۱۶) اور کہتا ہے 'اے لوگو! یہ دین (اسلام) میری راہ ہے جو خالصتاً سیدھی ہے، پس اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اللہ تمہیں اس کا تاکید حکم دیتا ہے تاکہ تم بھٹک نہ جاؤ' (۱۵۳:۶)، 'خالص اللہ کی بندگی (عبادت) کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ' (۳۶:۲ اور ۱۳:۳۰، ۱۰۶:۶ و ۱۱۶)، 'یقیناً (اے محمد!) تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (تمام نبیوں) کی طرف بھی، وحی کی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا' (۶۵:۳۹)، 'یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہودی بن جاؤ یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے، کہہ دیجئے! نہیں بلکہ ہم تو پیروی کرتے ہیں ابراہیم کے دین کی، جو اللہ کی طرف یکسو (موحد) تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے' (۱۳۵:۲) اور ۷۹-۷۵:۶ و ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳:۱۰، ۱۰۴:۱۰-۱۰۷) اور ان (مشرکوں) کی خواہشوں پر نہ چلیں اور کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل کی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں عدل کرتا رہوں' (۱۵:۳۲)۔ اسی لئے غیر اسلامی مذاہب کا ان کی موجودہ مشرکانہ شکل میں، اسلام سے ادغام (وَحْدَتِ اٰدِیَانِ، unity of faiths) ممکن نہیں، اگر ایسا کوئی انضمام ممکن ہوتا تو حضرت محمدؐ کی نبوت اور قرآن کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

قرآن کے مطابق عقیدہ اور عمل کے حوالہ سے، انسان آزاد اور بااختیار پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ نے دین (way of life) میں تنگی بھی نہیں رکھی۔ اس لئے مختلف امتوں کے بیچ تعصب اور نفرت کی وجہ انبیاء، مقدس کتب اور چرچ، مسجد، مندر یا دوسری عبادت گاہیں نہیں ہیں۔ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ یہودی، عیسائی، مسلمان، ہندو وغیرہ دوسروں کے مذاہب تو درکنار، اپنے اپنے مذاہب کا بھی بغور مطالعہ نہیں کرتے اور عبادت گاہوں میں بٹھائے ہوئے لوگوں کی اندھی تقلید پر یقین (blind faith) رکھتے ہیں۔ ان میں بے لوث خدمت والے بھی ہیں لیکن اکثر مثلاً حضرات (clerics) اپنے پیشہ کو دوام دینے کی غرض سے، اپنی خدمات ناگزیر ثابت کرنے بلکہ حکمرانوں پر بھی بالادستی حاصل کرنے کے لئے، دین میں ایسی خود ساختہ عبارت شامل (interpolation) کرتے رہتے ہیں جن سے

فرقہ دارانہ کشمکش کے علاوہ، اُمتی مذہب میں بڑی تنگی محسوس کرتے ہیں۔ انسان چونکہ آزاد طبع واقع ہوا ہے اس لئے اُمتی کوشش کرتے ہیں کہ مذہبی پابندیوں سے آزادی (liberalism) حاصل کریں۔ ایسے لوگ سیکولرازم کی جانب رخ کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیکولرازم کو مقبولیت حاصل ہے بلکہ دورِ حاضر میں تو دنیا خصوصاً مغربی حکومتیں، جملہ مذاہب کا خاتمہ کر کے سیکولرازم کی عالمگیریت چاہتی ہیں۔ بین المذاہب فاصلے بڑھانے کی ذمہ داری بھی نام نہاد مذہبی پیشواؤں پر ہی عائد ہوتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ملانیت سے چھڑکا رامسلے کا حل ہو سکتا ہے؟

حضرت آدم سے لے کر حضرت محمدؐ کے دورِ نبوت تک، ملائیت (clergy) کا تصور دین اسلام کا حصہ کبھی رہا نہیں، یہ نظام انسانیت کی ایجاد ہے۔ ان حضرات نے عام آدمی کے خرچہ پر، از خود اپنے آپ کو روحانیت تک محدود کیا ہوا ہے۔ سولہویں صدی عیسوی میں یورپ کے اندر مارٹن لوتھر نے رومن کیتھولک ملائیت (پاپائیت) کے خلاف احتجاجی تحریک چلائی لیکن خود اپنی ہی ملائیت قائم کر دی۔ یورپ کے عوام نے چرچ سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے فاشرازم اور سیکولرازم اختیار کی۔ ہٹلر نے یہودیت کا خاتمہ کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن خود ہی اس جہان سے چل بسا۔ جملہ مذاہب ختم کر کے لپین اور سٹالین نے روس میں کمیونزم اور موزے تنگ نے چین میں سوشلزم قائم کر دی۔ مصطفیٰ کمال اتاترک نے ترکی میں مسلم ملائیت کا خاتمہ کر کے سیکولرازم اپنائی۔ یہ سارے تجربے کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ ان تمام انسانی تصورات کا مقصد دنیا داری تک محدودیت تھا۔ حکمتِ الہی (divine wisdom) انسانیت کے لئے نہ تو صرف روحانیت چاہتی ہے اور نہ الگ مادیت، بلکہ دونوں کے امتزاج پر مبنی طرزِ زندگی چاہتی ہے، اور اسی تصورِ حیات کا نام اسلام ہے، وہ اسلام جو حضرت آدمؑ کے وقت سے لے کر دورِ حاضر تک، تمام اُمتوں کے من گھڑت مواد (بذِعت، concoctions) سے پاک ہو۔ غالباً اسی روحانیت اور مادیت کا ایک متوازن امتزاج ہونے کے باعث ہی کہا جاتا ہے کہ اسلام میں تمام مسائل کا حل موجود ہے۔

قرآن انسانیت کے لئے کیا پیغام دیتا ہے؟

قرآن کے مطابق انسان کا مقصدِ حیات زندگی کے روحانی اور مادی شعبوں میں اللہ کی بندگی (عبادت) ہے (۵۱:۵۶، ۶۷:۲)۔ قرآن یہی مقصد حاصل کرنے کا پیغام دیتا ہے اور اس میں کامیابی کیلئے علم کو ایک رہنما اصول قرار دیتا ہے (۱۹۰:۳، ۱۹۱:۱۷)۔ اللہ کی بندگی میں کامیابی کے لئے قرآن نصیحت کرتا ہے کہ انسان:

۱۔ اسلام کے مذہبی عقائد و فرائض کی پابندی کرے اور اس میں آباؤ اجداد سمیت لوگوں کی اندھی تقلید سے اجتناب کرے۔

۲۔ اللہ کو یاد رکھتے ہوئے، اپنی ذات اور اہل و عیال سمیت جملہ مخلوقات سے عدل و احسان پر مبنی ہمدردانہ معاملات (compassion) کرے اور ان پر ظلم سے اجتناب کرے (۱۶:۹۰، ۲۸:۷۷، ۷۷:۷۷)۔

۳۔ علمِ الاشیاء (سائنس و ٹیکنالوجی) کے ذریعہ بحرو برتخیر کرتے ہوئے، اپنی ذات اور قوم کے لئے معاش (livelihood) تلاش کرے اور موثر قومی دفاع کا اہتمام کرے (۲:۳۰-۳۳، ۱۲:۴۵، ۱۳:۱۳، ۲۲:۶۵، ۳۲:۱۴، ۳۳:۱۷، ۶۶:۱۷، ۷۰:۷۰، ۸۱:۲۱، ۸۳:۲۸، ۸۵:۷)۔

۴۔ زندگی کے ہر پہلو میں اعتدال سے تجاوز نہ کرے (۲:۱۹۰، ۷:۳۱-۳۲)۔

۵۔ انسان کی منزل مقصود (final destination) آخرت (life hereafter) ہے۔ اس دوسری اور آخری زندگی میں راحت کیلئے نیک اعمال ذخیرہ کرنے کی غرض سے، وہ دنیا کے سابقہ تاریخی واقعات سے عبرت حاصل کرے (۱۲:۱۱۱، ۳۰:۹، ۴۲)۔

اسلام کے پانچ مذہبی عقائد اور پانچ مذہبی فرائض ہیں۔ عقائد میں 'خالص' توحید کا عقیدہ اور آخرت سمیت، اللہ کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانا شامل ہے۔ فرائض یا روحانی عبادات میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد شامل ہیں۔ روزہ سال میں ایک ماہ (رمضان) کے لئے، زکوٰۃ سال میں ایک بار، حج عمر بھر میں ایک دفعہ انفرادی طور پر عائد ہے جبکہ جہاد صرف ظلم اور فساد مٹانے کی ضرورت پڑنے پر پوری معاشرہ پر لازم

(فرض) ہو جاتا ہے۔ نماز روزانہ پانچ وقت پر مسلم فرد پر عائد ہے اور چوبیس گھنٹے میں کل سترہ رکعت فرض نماز کے لئے قریباً چوبیس منٹ درکار ہیں۔ اختیاری (سنت) نماز ملائی جائے تو پھر بھی مادی شعبہ کے لئے ۲۳ گھنٹے بچتے ہیں۔ اس وقت کا مصرف قرآن ایسے بیان کرتا ہے اللہ ہی نے اپنی رحمت سے دن رات مقرر کر دیئے کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو، یہ اس لئے ہے کہ تم شکر ادا کرو (۷۳:۲۸) اور جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اسے چاہئے کہ نیک معاملات کرے (۱۱۰:۱۸)۔ نیک معاملہ وہ ہے جو نیک نیتی (خلوص) اور مثبت سوچ کے ساتھ کیا جائے۔

فکر و عمل میں لائحہ عمل کے لئے اللہ نے انسان کو با اختیار بنایا ہے (۱۲:۸۰)، (۵۷:۲، ۲۵۶:۲ وغیرہ) تاکہ اسے انصاف کے ساتھ آزمایا جاسکے۔ سیدھی راہ کی جانب رہنمائی کی غرض سے، قرآن نہ صرف اسے ذاتی تحقیق کی تاکید کرتا ہے بلکہ اسے آباؤ اجداد، علماء، یا پیروں اور درویشوں کی اندھی تقلید پر یقین (blind faith) سے بار بار متنبہ بھی کرتا ہے (۱۷۰:۲، ۲۳:۴۳، ۱۰۴:۵، ۴۴:۷، ۷۰:۷، ۳۱:۹، ۱۰:۱۲، ۱۰:۱۶، ۳۵:۱۸)۔

اسلام انتہا پسند نہیں اور جہاد دہشت گردی نہیں بلکہ اس کی ضد ہے 'اسلام' عربی کا لفظ ہے جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ قرآن کہتا ہے '(اے محمد!) ہم نے تمہیں تمام جہان والوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے' (۱۰۷:۲۱)، گویا کرہ ارض پر جملہ انسانیت کے لئے، اسلام ایک دین رحمت ہے، دین دہشت نہیں۔ ساتویں صدی عیسوی میں حضرت محمدؐ کے اللہ کی جانب سے نبی مقرر ہوتے ہی، حالات و واقعات کے مطابق اللہ کے احکام وحی ہونا شروع ہوئے۔ ابتدائی سالوں میں اہل کتاب مشرکین مکہ کے حق میں، مسلمانوں سے سنگین نوعیت کی منافقت کرتے رہے، اگرچہ عیسائی افراد یہودیوں سے قدرے بہتر تھے (۸۲:۵)۔ مسلمان صبر کرتے ہوئے

مشرکین مکہ کے بے تحاشا مظالم برداشت کرتے رہے، کیونکہ انہیں لڑنے کی اجازت نہیں تھی بلکہ صرف قرآن یعنی تبلیغ سے جہاد کرنے کا حکم تھا (۵۲:۲۵)۔ چودھویں سال مشرکین مکہ نے ظلم کی انتہا کر دی، جب انہوں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال کر مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اہل کتاب اور مشرکین نے انہیں وہاں بھی آرام سے نہیں رہنے دیا۔ لہذا پندرہویں سال (۲ھ) اللہ نے مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی اجازت دے دی (۳۹:۲۲-۴۰، ۳۶:۹، ۸۷:۲۸) اور بدر کے مقام پر پہلی جنگ لڑی گئی۔ اللہ اور رسول کے خلاف جدوجہد کرنے کے علاوہ، مشرکین عرب عورتوں اور بچوں سمیت بے گناہ لوگوں پر اس قدر ظلم کرتے رہے، کہ وہ اللہ کی مدد کے لئے پکارتے رہے (۷۵:۴)۔ لہذا مسلمانوں کو جہاد اس طریقہ سے جاری رکھنا پڑا، جس طرح جہاد کا حق ہے (۷۸:۲۲، ۴۶:۹، ۴۱:۹)۔ اُس وقت اللہ کو مزید کہنا پڑا کہ '(اے محمد!) کہہ دیجئے (ان ڈرپوک مسلمانوں سے کہ) گو تم اپنے گھروں میں ہوتے، پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا وہ تو مقتل کی طرف چل کھڑے ہوتے' (۱۵۴:۳) اور 'حیات اور موت دینے والا اللہ ہی ہے اور تمہاری تمام حرکات پر وہی نگران ہے' (۱۵۶:۳)۔ جنگ یا جنگ جیسے ان 'غیر معمولی' حالات و واقعات کے پیش نظر، اللہ کے بڑے شدید احکامات وحی ہوئے (۴:۴۷، ۹:۶۶، ۱۴:۹، ۲۴ و ۱۱، ۸۷:۲۸، ۸۹:۴)۔ بعض لوگ اکیسویں صدی عیسوی میں قرآن کی ان ہی آیات کو ان کے سیاق و سباق سے ہٹا کر، ایسے انداز میں پیش کرنے کی کوششیں کرتے ہیں جیسے کہ اسلام ایک انتہا پسند بلکہ ایک خونخوار مذہب ہو حالانکہ اسلام کے معنی ہی امن و سلامتی کے ہیں۔

قرآن میں 'معمول' کے حالات و واقعات کے لئے اللہ کے احکام یوں ہیں، 'کسی قوم کی دشمنی تمہیں خلاف عدل عمل پر آمادہ نہ کرے، عدل کیا کرو جو تقویٰ کے زیادہ قریب ہے' (۸:۵)، 'اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ' (۶:۴۹)، 'اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کر لو، تو یقیناً صابروں کے لئے یہی بہتر ہے' (۱۲۶:۱۶)، 'لڑو اللہ کی راہ میں اُن سے جو تم سے لڑتے ہیں اور اعتدال

سے تجاوز نہ کرو، اللہ اعتدال سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا' (۱۹۰:۲) اور (۳۹:۲۲)، 'اگر وہ صلح کی طرف جھک جائیں تو تم بھی اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے صلح کی طرف جھک جاؤ' (۶۱:۸ اور ۲:۹۰، ۱۹۳:۲)، 'اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تم اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے امن کے مقام تک حفاظت سے پہنچا دو، کیونکہ یہ لوگ بے علم ہیں' (۶:۹) اور 'پس تو (اے محمد) انہیں (عہد شکن اہل کتاب کو) معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ، یقیناً اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے' (۱۳:۵)۔ قرآن میں اللہ کے ان جیسے بیشمار احکام واضح دلائل ہیں کہ اسلام انتہا پسند مذہب نہیں بلکہ ایک اعتدال پسند دین ہے، اور ایک متوازن طرز حیات کا تقاضا بھی یہی ہے۔ قتل برائے قتل جہاد کا مقصد نہیں بلکہ جہاد کا مقصد اللہ کی بندگی سے سرکشی کرنے والوں کی 'اصلاح' ہے۔

پوری دنیا میں ایسا کوئی مذہب نہیں جو عدم برداشت (intolerance) یا تشدد (violence) کا درس دیتا ہو، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ بعض افراد فطرتاً اپنی رائے دوسروں پر ٹھونسنے میں لڑنے کی حد تک ضدی ہوتے ہیں۔ حالات کے تقاضے خواہ کچھ بھی ہوں، یہ جذباتی افراد اپنی مقدس کتاب پر اس کے "لفظ و روح" کے مطابق عمل کرنے کی بجائے لفظ بلفظ کلام الہی کی ترجمانی پر یقین رکھتے ہیں۔ انہیں مذہبی مجاہدین (fanatics) کہا جاتا ہے۔ عیسائیت میں اشاعت انجیل کے حوالہ سے مذہبی مجاہدین یا ایوانجیلیسٹس (evangelists) کو، مغرب میں بنیاد پرست یا مذہبی انتہا پسند کہا جاتا ہے۔ قرآن کے حوالہ سے اسلام میں بھی ایسے مذہبی مجاہدین کی کمی نہیں بلکہ کم تعلیم، غربت اور مطلق العنان حکمرانوں کی ناانصافیوں کے باعث، مسلم ممالک کے ایسے افراد باسانی مشتعل ہو جاتے ہیں۔ تاہم یہ ناانصافی ہوگی اگر ان مسلم افراد کے باعث، خود اسلام کو ہی ایک انتہا پسند مذہب کہا جائے، دوسرے یہ کہ ظلم سے چھٹکارا یا سیاسی آزادی حاصل کرنا ہر قوم کا پیدائشی حق ہے اور اس کے لئے جدوجہد کرنا ایک سیاسی عمل بلکہ رد عمل ہوتا ہے لیکن جب کسی مسلم قوم کی ایسی جدوجہد یا جنگ آزادی کو مذہبی انتہا پسندی یا عسکریت پسندی کہا جائے تو یہ دوسری بے انصافی ہے۔ بہر حال بنیاد پرست مغربی

ذرائع ابلاغ کچھ ایسی ناانصافیاں کرتے رہے ہیں، جس سے متاثر ہو کر بعض مغربی اقوام اسلامی جہاد کو بھی دہشت گردی کہتی ہیں۔ چونکہ دنیا بھر کے جنگ آزادی لڑنے والوں میں اکثریت مسلم اقوام کی ہے اور وہ اپنی جنگ کو 'جہاد' کہتے ہیں بظاہر اس لئے، مغربی ذرائع دہشت گردی کو اسلام سے جوڑتے ہوں گے۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کا تفصیلی جائزہ لیا ہی نہیں اور لاعلمی میں ایسا کرتے ہوں۔

اللہ صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ غیر مسلموں کا بھی رب ہے، وہ صرف اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ اللہ چاہتا ہے کہ پورا انسانی معاشرہ ظلم سے پاک ہو، تاکہ یہ پرسکون اور مستحکم رہے، یہی جہاد کا فلسفہ الہی ہے۔ اسلام یقیناً امن و سلامتی کا تصور حیات ہے، یہ دین لڑنے کی اجازت صرف اُن ظالموں اور فساد یوں کے خلاف دیتا ہے جو عمدہ مباحثہ سے اپنی اصلاح نہیں کرتے۔ جہاد کے لئے قتل و قتال جیسے مضبوط الفاظ بائبل میں بھی درج ہیں (استیلا ۷:۱۶، ۱۳:۱۵-۱۶، ۱۰:۲۰، ۱۴:۱۲، ۱۰:۱۰) اور قرآن ان کی تائید کرتا ہے (۱۱۱:۹)۔ مسئلہ یہ ہے پاپائیت کی طرز حاکمیت اور دین میں تنگی کے باعث، مغربی دنیا نے مذہب سے آزادی حاصل کر لی اور سیکولرزم اختیار کرتے ہوئے بائبل کو اپنی ملائیت کے سپرد کر دیا۔ اسلامی دنیا کے حکمرانوں نے اپنی عیاشی کی خاطر اور عوام نے جہالت کے سبب، قرآن کو اپنی ملائیت کے حوالے کیا۔ اسلامی دنیا مذہب سے منسلک رہنے کے باوجود جہاد کے بارے میں فلسفہ الہی کو اُجاگر نہ کر سکی، علماء بالعموم جہاد کو انتہا پسندی کی جانب لیتے گئے جبکہ حکمران جہاد سے احتراز کرتے رہے۔ اس طرح اہل کتاب اور اسلامی دنیا دونوں نے کلام الہی (کتاب، scripture) سے دُوری کا ارتکاب کیا۔ اس خطا کا نتیجہ اب عالمی معاشرہ کو تہذیبی تصادم، ظلم اور عدم استحکام کی صورت میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ واضح رہے کہ جہاد کی تاکید ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں بھی کی گئی ہے (بھگود گیتا ۲:۵۰، ۲:۱، ۲:۲۶، ۲:۳۱، ۲:۳۲ و ۳۷ اور مہابھارت میں متعدد بار)۔

مندرجہ ذیل نکات پر غور و فکر کیا جائے تو جہاد اور دہشت گردی میں تضاد صاف ظاہر ہے:

۱۔ جہاد ہر مسلم فرد کا ایک مذہبی فریضہ ہے۔ کسی دنیاوی مفاد یا انتقام کے لئے نہیں بلکہ

اللہ کی مخلوق کو ظلم سے چھٹکارا دلانے (۷۵:۴) یا اسلامی عقائد و فرائض کے دفاع میں (۸۷:۲۸، ۱۹:۹، ۳۴) لڑی جانے والی جنگ کا نام جہاد ہے۔ اس طرح جہاد جارحیت نہیں بلکہ یہ ایک دفاعی نوعیت کی جنگ ہے، جو معاشرہ میں استحکام اور امن و سلامتی کے لئے لڑی جاتی ہے۔ طاقتور لوگ دہشت گردی کی تعریف اپنی مرضی سے کرتے ہیں لیکن بالعموم، کسی سیاسی مقصد کے حصول کیلئے ایک منظم تشدد کے ذریعہ، معاشرہ میں خوف و ہراس پھیلا کر اسے غیر مستحکم کرنے کا نام دہشت گردی ہے۔ واضح رہے کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ کردار سے پھیلا ہے، قرآن کہتا ہے '(اے محمد!) دین اسلام میں کوئی زبردستی نہیں' (۲۵۶:۲) اور 'تیرا کام صرف ہمارے احکام پہنچا دینا ہے (کوئی مانتا ہے یا نہیں) اس کا حساب ہماری ذمہ داری ہے' (۴۰:۱۳، ۶۰:۴۲)۔ اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے میں ہر انسان باختیار ہے۔ دوسرے یہ کہ 'ظلم' کے معنی دوسروں کے مذہبی یا دنیاوی حقوق غصب یا سلب کرنے کے ہیں، یہ اصطلاح جسمانی تشدد تک محدود نہیں۔

۲۔ جب اصلاح کی کوشش اور بار بار کی تنبیہ کارگر نہ ہوں تو پارلیمنٹ کی رائے لینے کے بعد، سربراہ حکومت جہاد کا باقاعدہ اعلان کرتا ہے۔ کوئی مذہبی شخصیت یا تنظیم جہاد کے اعلان کرنے کی مجاز نہیں (۸۳:۴)۔ اس کے برعکس، دہشت گردی چند افراد مل کر خفیہ طریقہ سے کرتے ہیں۔

۳۔ جہاد میدان جنگ میں لڑا جاتا ہے تاکہ بوڑھے، بچے اور عورتوں سمیت، بے گناہ مخلوق اور ان کی املاک کو نقصان نہ پہنچے۔ دہشت گردی سے زیادہ نقصان بے گناہ لوگوں کا ہوتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ جہاد خالق و مالک کی حکمت پر مبنی ہے (۲۱۶:۲) جبکہ دہشت گردی کا تعلق انسانی فکر سے ہے۔

۴۔ جہاد میں قیدیوں سے شائستہ سلوک کیا جاتا ہے جبکہ دہشت گردی میں قیدیوں اور اغوا شدہ افراد پر سودے بازی کی جاتی ہے یا انہیں قتل کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد خالق و مالک کی راہ میں لڑا جاتا ہے (۲۱۶:۲) اور اس کا مقصد سرکش لوگوں کی اصلاح ہے جبکہ دہشت گردی کا مقصد انتقام یا کسی سیاسی مفاد کا حصول ہوتا ہے جس کے لئے یہ افراد وحشیانہ حربوں سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

۵۔ اللہ کی راہ میں مال و جان سے لڑنا جہاد ہے اور اس میں کامیابی یا شہادت مسلمان کے لئے جنت کے علاوہ ایک بڑا اعزاز ہے (۱۵۴:۲، ۱۶۹:۳، ۸۸:۹)، جبکہ دہشت گرد کے لئے عبرتناک سزا مقرر ہے، قرآن کہتا ہے 'جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کر دیا' (۳۲:۵) اور 'جو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں، انکی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ تو ہوئی ان کی دنیاوی ذلت، اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے' (۳۳:۵)۔ لوگوں کے ہاتھوں فساد یوں کے قتل کے بارے میں قرآن کہتا ہے 'اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین فساد یوں سے بھر جاتی لیکن اللہ سب جہان والوں پر رحم کرنے والا ہے' (۲۵۱:۲)۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا 'جب ایک فسادى شخص مرتا ہے تو بندے ہی اس سے راحت محسوس نہیں کرتے بلکہ شہر، درخت اور جانور بھی سکون پاتے ہیں' (بخاری)۔

۶۔ اللہ نے ضرورت پڑنے پر جہاد مسلمانوں پر لازم کیا ہے (۲۱۶:۲) جبکہ معاشرہ کو غیر مستحکم کرنے کے لئے دہشت (فساد، terror) پھیلانا اللہ کو پسند نہیں اور اللہ کا ناپسندیدہ عمل کرنا اسے ایذا دینے کے مترادف ہے، جسے کوئی ہوشمند مسلمان ہرگز نہیں چاہے گا۔ قرآن کہتا ہے 'اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی مخلوق سے احسان کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، یقیناً اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا' (۷۷:۲۸، ۷۷:۲۷، ۲۰۵:۲، ۶۴:۵، ۱۱۶:۱۱)، 'اُن حد سے گزرنے والے لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے' (۱۵۱:۲۶-۱۵۲)، 'زمین میں فساد مت پھیلاؤ' (۵۶:۷، ۴۲:۴۲، ۲۵:۱۳، ۴۱:۳۰) اور 'وہ آخرت کا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لئے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور اللہ سے خوف کرنے والوں کے لئے عمدہ انجام ہے' (۸۳:۲۸)۔

امریکہ کے خلاف مسلم افراد کی دہشت گردی امریکی حکومت کی جابرانہ پالیسیوں

کے خلاف اُن کی نفرت کا نتیجہ ہے اور یہ ایک انتقامی یا سیاسی کارروائی ہے۔ اسے مسلم عقیدہ سے جوڑا نہیں جاسکتا، کیونکہ یہ دہشت گردی عیسائیت کے خلاف نہیں بلکہ امریکی حکومت ہی کے خلاف ہے۔ یہ اگر عقیدہ کی جنگ ہوتی تو اس کا زیادہ زور مشرق میں ہوتا کیونکہ وہاں زیادہ تربت پرست آباد ہیں اور اسلامی عقیدہ میں بُت پرستی بدترین مذہبی جرم ہے۔ اسلام یقیناً تعصب کا دین نہیں ہے، چین ایک غیر مسلم ملک ہے لیکن اسلامی دنیا وِل کی گہرائیوں سے اس کا احترام کرتی ہے کیونکہ چین اسلامی ممالک کی سیاست، معیشت یا ثقافت میں مداخلت نہیں کرتا۔ عقیدہ کے حوالہ سے قرآن زبردستی سے منع کرتا ہے (۲۵۶:۲) کیونکہ اسلام فکر و عمل میں انسان کو بااختیار تصور کرتا ہے (۱۲:۸۰، ۵۷:۲۵ وغیرہ)۔ اسلام دینِ دعوت ہے دینِ نفرت نہیں (۱۲۵:۱۶)۔

اس قدر بے شمار ٹھوس دلائل کے باوجود بھی اگر مغرب کے بنیاد پرست ذرائع دہشت گردی کو مسلم عقیدہ سے جوڑنے پر اصرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ مٹھی بھر دہشت گرد حقیقی مسلم ہیں جبکہ پوری مسلم دنیا عملاً غیر مسلم ہے، مگر یہ کوئی حقیقت نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو اسلام انتہا پسند مذہب ہے اور نہ جہاد دہشت گردی ہے۔ اسلام کرۂ ارض کے تمام انسانوں کے لئے امن و سلامتی اور اللہ کی رحمت کا تصور حیات ہے۔

’تہذیبی تصادم‘ کی بنیادی وجہ غلط انسانی فکر ہے، جہاد کا فلسفہ الہی نہیں عیسائیت مغربی اقوام کا ایک بڑا مذہب ہے۔ اسے اسلام سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ ہر انسان اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے میں بااختیار ہے، کسی عیسائی یا یہودی فرد سے زبردستی اسلام قبول کرانے کی کوشش قرآن کی خلاف ورزی ہے (۱۲:۸۰، ۵۷:۲۵، ۲۵۶:۲)۔ دورِ حاضر کے سیاسی ماہرین کی رائے میں مغرب، کسی عیسائی یا یہودی تہذیب کو بچانے کے لئے نہیں بلکہ سیکولر تہذیب کو عالمگیریت دینے کے لئے، عالمی رائے عامہ کو اسلام کے خلاف ہموار کر رہا ہے کیونکہ اسے اسلامی تہذیب سے بڑا خوف لگتا

(Islamophobia) ہے۔ یہی مغربی دانشوروں کے ’تہذیبی تصادم‘ (clash of civilisations) کے نعرے کا فلسفہ ہے۔

قرآن کی طرح، جہاد کا فلسفہ الہی بائبل کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن سیکولر تہذیب مذہب سے لاتعلقی ہے۔ اسی تہذیب کے مغربی ممالک خصوصاً امریکہ اور برطانیہ، عرصہ دراز سے ٹیکنالوجی کی بجائے اسلامی دنیا کو ہائی ٹیک دفاعی مصنوعات اور اپنی شرائط پر قرضوں کی شکل میں اقتصادی امداد دیتے رہے جو نوآبادیاتی نظام کی ایک نئی شکل سمجھی جا سکتی ہے۔ اسلامی ممالک کو بڑے پیمانے پر مغربیت بھی برآمد کی گئی۔ مغربی ذرائع ابلاغ اسلام کے خلاف مسلسل ایک تہمتی (slanderous) پروپیگنڈا مہم چلاتے رہے۔ اسی طرح اسلامی دنیا میں سیکولر تہذیب کے خلاف نفرتیں پیدا ہوئیں جس کا نتیجہ بظاہر نائن الیون کی شکل میں نمودار ہوا۔

عراق پر ناجائز حملہ اور تساط، ابوغریب جیل میں اسلامی ثقافت اور گوانتا موبے جیل میں قرآن کی بے حرمتی سے اسلامی دنیا نے محسوس کیا کہ نائن الیون کسی گہری سازش کا نتیجہ تھا۔ کچھ لوگ ان واقعات کو یہود و ہنود کی ایسی سازش سمجھتے ہیں جس کا مقصد عیسائی اور مسلم دنیا میں فاصلہ بڑھانا ہے۔ بہر حال اسلامی دنیا کو اپنے عقیدہ اور املاک کے دفاع کا حق حاصل ہے۔

نائن الیون سے پہلے خود اسلامی دنیا کے ملاؤں اور حکمرانوں نے بھی کچھ غلطیاں کیں جن سے اسلام بدنام ہوا اور مغرب میں تہذیبی تصادم کے احساس نے جنم لیا۔ اللہ فرماتا ہے ’یہ قرآن ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘ (۹:۱۵)، لیکن اسلام کی ’حفاظت‘ خود مسلم علماء نے اپنے ذمہ لے لی۔ انہوں نے فرقہ وارانہ بنیادوں پر دینی مدارس قائم کئے، جن میں سے بعض مدارس جہاد کے نام پر عطیات اکٹھے کر کے، طلباء کو انتہا پسندی کی تربیت دیتے رہے۔ مثلاً حضرات جہاد کے فلسفہ الہی کو اجاگر کرنے کی بجائے اسے محض کفر کے خلاف جنگ بتاتے رہے۔ اور اسی لئے، کسی غیر مسلم ملک کے خلاف ہر سیاسی یا انتقامی جنگ کو بھی جہاد کہتے رہے۔ فرضیت جہاد کے لئے اجتماعی اجتہاد کی بجائے ہر مولوی اپنا ہی فتویٰ جاری کرتا رہا۔ مسلم حکمرانوں نے حکم الہی کے مطابق

(۴۱:۲۲) اپنا فرض نبانے کی بجائے مذہب کو ملاؤں کے رحم و کرم (monopoly) پر ہی چھوڑ دیا۔ مزید یہ کہ سرکاری تعلیم کے نصاب میں قرآنی احکام پر مبنی حقیقی فلسفہ جہاد (۱۲۵:۱۶، ۴۶:۲۹، ۲۸:۶۷، ۱۹۰:۲، ۳۶:۹، ۳۹:۲۲، ۴۰:۴، ۷۵:۲۸، ۷۷:۵، ۳۳:۵) کو اس کے مثبت انداز میں اُجاگر کرنا مسلم حکمرانوں کی ذمہ داری تھی، لیکن وہ سیکولر آقاؤں کی ایماء پر، جہاد سے متعلق قرآنی آیات کو تعلیمی نصاب سے دُور رکھنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ رہا کہ مذہبی مجاہدین کے ذہن میں جس طرح آیا، جہاد کو اُسی مفہوم میں استعمال کیا۔ اس طرح اسلامی دنیا کے ملاؤں اور مسلم حکمرانوں کے حکمت الہی سے انحراف کے باعث ہی اسلامی دنیا میں اسلام ایک انتہا پسند بلکہ ایک خونخوار مذہب سمجھا جانے لگا اور مغربی سیکولر حکومتیں اسلام سے خائف ہوتی چلی گئیں۔ یہ احساس بتدریج نفسیاتی سطح پر تہذیبی تصادم کی شکل اختیار کرنا کیا اور نائن الیون کے ساتھ ہی اپنی عملی صورت میں نمودار ہوا۔

تہذیبی تصادم کی وجہ عیسائیت یا اسلام نہیں بلکہ دونوں تہذیبوں کی قیادت کی حکمت الہی سے گمراہی ہے۔ سیکولر تہذیب کی قیادت کی گمراہی کی وجہ اس کی مذہب سے آزادی ہے جبکہ اسلامی تہذیب کی قیادت کی گمراہی کی وجہ سے اس کی مذہبی فرائض سے غفلت ہے۔ حکمت الہی کے ضمن میں، اللہ فرماتا ہے (اے محمد!) ان لوگوں سے کہہ دو کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ ہدایت لے کر کون آیا ہے اور گھلی گمراہی میں مبتلا کون ہے (۸۵:۲۸)۔ سانحہ نائن الیون، بین الاقوامی دہشت گردی اور جنگ عراق کے باعث، دورِ حاضر میں غیر مستحکم عالمی صورتحال تقاضا کرتی ہے کہ تہذیبی تصادم کے دونوں فریق ماضی کی غلطیوں کا ازالہ کریں۔

حضرت محمد ہی انسانی حقوق اور جمہوریت کے بانی تھے

اسلام مذہبی عقائد و فرائض تک محدود ایک جامد مذہب نہیں بلکہ یہ دینِ فطرت ہے اور اس لئے ایک مجتہدانہ اندازِ فکر کا مکمل تصورِ حیات ہے۔ اسلام خالق کائنات کی ایسی

حکمت پر مبنی ہے جس کا مقصد انسانی زندگی کو آرام دہ بنانا اور معاشرہ کو مستحکم رکھنا ہے۔ انسان کے جائز مفادات کی خاطر، اسلامی شریعت میں بڑی لچک موجود ہے بشرطیکہ اللہ کے پیغام کو اس کے لفظ اور روح دونوں میں، صحیح سمجھا جائے۔ بدلے ہوئے وقت کے نئے تقاضوں کے لئے اجتہاد کے ذریعہ، نئی قانون سازی کی سہولت بھی موجود ہے، جس کے باعث اسلامی شریعت کبھی فرسودہ نہیں ہوتی۔ اسلامی شریعت کی بنیاد ہی انسانی مساوات (۱:۴، ۱۳:۴۹) اور عدل (۵:۵۷، ۲۵:۴۲، ۱۷:۳۶) ہے جو انسانی حقوق اور جمہوریت کے لئے بنیادی ضروریات ہیں۔ اسلامی دنیا میں غیر جمہوری نظامہائے حکمرانی جو نظر آتے ہیں، یہ حکمت الہی (قرآن) نہیں بلکہ انسانی افکار پر مبنی ہیں۔ واضح رہے کہ کسی کو حکومت دینا اللہ کی جانب سے اس شخص کے لئے نعمت اور ایک آزمائش ہوتی ہے (۲۶:۳، ۱۶۵:۶، ۱۴۰:۳)۔

حضرت محمدؐ نے ساتویں صدی عیسوی میں بچیوں کو زندہ دفنانے کا رواج ختم کر کے عورت کو مرد کے مساوی انسان قرار دے دیا، انسانوں میں نسلی امتیاز ختم کر دیا اور لوگوں کو اُن کے اظہارِ رائے کا حق، حق ملکیت، حق تحفظ، حق انصاف اور عزتِ نفس کا حق دلایا۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا 'حکومت اس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو' (ترمذی، ابوداؤد) اور یہی فلاحی ریاست کا اسلامی تصور ہے۔ عورت کو مرد کے مساوی انسان نہ سمجھنے اور نسلی امتیاز جیسی جہالت اور ظلم کو ختم کرنے اور جمہوری نظامِ حکومت رائج کرنے پر دوسری اقوام نے صدیوں بعد غور و فکر شروع کیا۔ ان میں انگلستان کے پارلیمانی نظام کی بالادستی (میکینا کارٹا) ۱۲۱۵ء، انقلابِ فرانس کا عمرانی معاہدہ ۱۷۸۹ء، امریکی بل آف رائٹس ۱۷۹۱ء اور بنیادی انسانی حقوق کا یو این چارٹر ۱۹۴۸ء شامل ہیں۔ اس لئے اسلام پر انسانی حقوق سلب کرنے کا الزام بے بنیاد ہے۔ یاد رہے کہ انقلابِ فرانس کے بانی والٹیر، حضرت محمدؐ کی سیرت اور انسانی حقوق کے لئے اُن کے انقلاب سے بہت متاثر تھے۔

اسلامی شریعت کی بنیاد عدل پر قائم ہے (۵:۵۷، ۲۵:۴۲، ۱۰۵:۴ وغیرہ)۔ سزاؤں میں قتلِ ناحق اور دہشت گردی کی سزا موت (۳۲:۵-۳۳)، زنا (adultery) کی سزا

مرد و عورت کے لئے ایک سو کوڑے مارنے (۲:۲۴، ۳۲:۱۷) اور کسی کے مال پر ہاتھ صاف کرنے کی سزا ہاتھ کاٹنا (۲۸:۵) شامل ہیں۔ ان سنگین جرائم کا تعلق زمین میں شرانگیز فساد پھیلانے سے ہے اور ان خوفناک (deterrent) سزائوں کا مقصد معاشرہ میں ان جرائم کی روک تھام ہے (۱۷۹:۲)۔ قرآن میں مذکورہ سزائوں سے مراد کسی سزا کی انتہائی حد ہے لہذا حکم جاری کرنے سے پہلے حالات و واقعات کے مطابق، متعلقہ قرآنی آیات کے الفاظ اور روح دونوں پر تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ زنا کے لئے سنگساری کی سزا قرآن سے ثابت نہیں، یہ عبادہ بن صامت کی صرف ایک ہی روایت میں مذکور ہے۔ تاہم سنگساری یا کوڑوں کی سزا پر عمل درآمد کرنا آسان نہیں، کیونکہ زنا کے ارتکاب کو چار چشم دید گواہوں کے ذریعے عدالت میں ثابت کرنا ہی ممکن نہیں ہوتا۔ چار چشم دید گواہوں کی پابندی اس لئے لازمی قرار دی گئی کہ فاسق لوگ آسانی سے عورتوں پر زنا کی تہمت نہ لگا سکیں، قرآن کہتا ہے 'جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں ۸۰ کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، یہ لوگ فاسق ہیں' (۲۴:۲۳ اور ۲۵-۲۳)۔ دوسرے یہ کہ اسلامی شریعت انسانی عقل نہیں بلکہ خالق کائنات کی حکمت (divine wisdom) پر مبنی ہے اور اللہ مخلوق سے بہتر جاننے والا ہے۔

قرآن میں مشاورت (مقننہ) (۱۵۹:۳، ۲۸:۲۲، ۱۱۴:۴)، انتظامیہ (۵۹:۴) اور عدل (۲۵:۵۷) کے احکام موجود ہیں اور حضرت محمدؐ کو دنیا کا بہترین عادل مانا جاتا ہے۔ یہی تینوں جمہوریت کے ستون ہیں۔ اسلامی جمہوری نظام اور مغربی جمہوریت میں فرق وہی ہے جو اصول پرستی اور موقع پرستی میں ہے۔ اسلامی جمہوریت یہ ہے کہ کسی قوم میں مذہبی عقیدہ کے حوالہ سے تو بعض لوگ اقلیت میں ہو سکتے ہیں، لیکن سماجی حقوق میں سب لوگ یکساں ہیں۔ حضرت محمدؐ نے ساتویں صدی عیسوی میں ایسی جمہوریت کی بنیاد رکھی۔ اسلامی عقیدہ میں زبردستی تو ویسے بھی نہیں (۲۵۶:۲) اور میثاق مدینہ (Madina Pact) کے بعد یہودیوں سمیت تمام غیر مسلموں کو مساوی سماجی حقوق دئے گئے۔ گویا میثاق مدینہ ایک قسم کا جمہوری آئین تھا جو دنیا میں پہلی بار لکھا گیا۔ دورِ حاضر میں غیر مسلموں کا کسی مسلم ملک کے آئین اور ریاست سے حلفِ وفاداری میثاق مدینہ کے

مترادف تصور ہوگا۔ عمل کے حوالہ سے، انسان کو اپنی راہ کے تعین کے لئے، قرآن کہتا ہے 'یقیناً (اے لوگو!) رسول اللہ کی طرزِ زندگی تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے' (۲۱:۳۳) اور 'رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روکے، اس سے رک جاؤ' (۷:۵۹) اور جمہوری نظامِ مسلم امت کو حضرت محمدؐ ہی نے دیا ہے۔

اسلام یقیناً ایک جمہوری نظامِ حکومت کا تصورِ حیات ہے۔ بعض لوگوں کا گمراہ مسلم حکمرانوں کو ظالم کہنے کی بجائے، دین اسلام کو انسانی حقوق اور جمہوریت سے متصادم قرار دینا یقیناً نا انصافی ہے۔

اکیسویں صدی عیسوی میں امریکہ انسانی حقوق اور جمہوریت کو غیر معمولی اہمیت دینے لگا۔ مغرب کی تمام سیکولر حکومتیں اسلامی دنیا کے لئے جمہوریت کا نعرہ بلند کرتی رہی ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کے بعض آمر حکمرانوں کی سیاسی سرپرستی بھی کرتی ہیں اور انہیں کالی بینکاری سمیت عیاشی کی سہولتیں فراہم کرتی ہیں، اس طرح یہ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں (they don't practise what they preach)۔ اسلام سمیت کسی بھی تہذیب کو انسانی حقوق اور جمہوریت کی افادیت سے انکار نہیں لیکن مغرب اپنے اس نعرہ میں مخلص نظر نہیں آتا۔ بظاہر اس کا مقصد مذاہب کے مقابلے میں سیکولر ازم کو فروغ دینا ہے تاکہ مذاہب سے آزادی کو عالمگیریت دی جاسکے۔ انسانی عقل حکمتِ الہی کو عاجز کر ہی نہیں سکتی۔ قرآن سرکش قوموں اور فرعون سمیت شہنشاہتوں (empires) کی تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی نصیحت کرتا ہے اور کہتا ہے 'کیا انہوں نے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ان (سرکش) لوگوں کا کیا انجام ہوا، جو ان سے زیادہ طاقتور تھے؟' (۹:۳۰ و ۲۲ اور ۱۱:۱۲)۔

عورت کو مرد کے مساوی انسان سب سے پہلے حضرت محمدؐ نے تسلیم کروایا خاندانِ معاشرہ کی ایک اہم اکائی ہے اور اولاد کی تربیت سمیت خاندانی روایات کا انحصار عورت پر ہے، اس لئے اسلام عورت کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور اس نے انسانیت کا

آغاز ایک مرد اور عورت سے کیا۔ اسلام نے ساتویں صدی عیسوی میں بچیوں کو زندہ دفن کرنے کی رسم ختم کر دی اور اللہ نے سسرالی رشتہ کو مرد کے نسب سے جوڑ دیا (۵۴:۲۵، ۲۲:۴، ۲۳)۔ قرآن کہتا ہے 'اور تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ ان سے آرام پاؤ، اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی' (۲۱:۳۰)۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا 'اے مردو! یقیناً عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تم پر بھی ان کے حقوق ہیں' (خطبہ جمعۃ الوداع)۔

عورت کے حقوق و فرائض سے متعلق چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ 'نکاح کے لئے رضامندی عورت کا ایسا ہی حق ہے جیسے کہ مرد کا ہے' (۱۹:۴)۔ والدین کی مرضی ایک پسندیدہ عمل ہے لیکن یہ لازم نہیں۔ جب ایک عورت اپنی آزادانہ مرضی سے خود کو ایک مرد کے نکاح میں دے دیتی ہے تو اخلاقی طور پر خود کو شوہر اور اس کے خاندان سے پیار و محبت اور احترام کی پابند کر دیتی ہے۔ باہمی ناچاقی کی صورت میں مرد بیوی کو طلاق دے سکتا ہے (۲۲:۲ و ۲۳۰، ۱:۶۵ و ۴) اور اگر عورت علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو شوہر سے طلاق مانگ سکتی ہے یا پھر عدالت کے ذریعہ اپنا نکاح منسوخ (خلع) کروا سکتی ہے (ابوداؤد، ترمذی، النسائی)۔ اللہ مرد کو حکم دیتا ہے کہ 'تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورت کو ورثے (نکاح) میں لے بیٹھو، انہیں اس لئے بھی نہ روک رکھو، کہ جو (مہر) تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لو' (۱۹:۴)، اور 'طلاق (مناسب وقفہ کے ساتھ) دو مرتبہ ہیں، پھر (تیسری موقع پر) یا تو اچھائی سے رکھنا یا عہدگی کے ساتھ چھوڑ دینا، اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے جو اسے دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو' (۲۲۹:۲)۔

۲۔ قرآن کہتا ہے 'تم خواہ کتنا ہی چاہو تمام عورتوں میں ہرگز مساوات قائم نہ کر سکو گے' (۱۲۹:۴)۔ اس طرح تمام مقدس کتب میں سے قرآن واحد کتاب ہے جو کہتی ہے کہ ایک سے زائد عورتیں نکاح میں نہ لو۔ چار تک بیویاں رکھنے کا حکم اسلام کا معمول نہیں، یہ صرف کسی 'غیر معمولی' حالت کے لئے ہے۔

۳۔ اسلام عورت کو وراثت میں حصہ دینے (۴:۷) کے علاوہ خاوند سے مہر (۲۴ و ۴:۴)

اور کفالت کا حق بھی دیتا ہے۔ مرد کے اس اضافی فرض کے سبب اسے عورت پر برتری حاصل ہے اور وراثت میں اس کا حصہ عورت سے دگنا ہے، قرآن کہتا ہے 'عورتوں کے لئے بھی اچھائی کے ساتھ ویسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ ان پر مردوں کے ہیں اور مردوں کو ان پر فضیلت حاصل ہے، اللہ غالب اور حکمت والا ہے' (۲۲۸:۲)۔ اس طرح ایک جگہ اگر مرد کے حقوق زیادہ ہیں تو دوسری جگہ عورت کے حقوق زیادہ ہیں۔ مرد کو خاندان کا سربراہ قرار دینا حق نہیں بلکہ ایک اضافی فرض ہے اور یہ ہر اجتماعی نظام کی تنظیم کا ایک فطری تقاضا ہے۔

۴۔ قرآن کہتا ہے 'سماجی خدمات کے حوالے سے' (مومن مرد اور مومن عورت ایک دوسرے کے (مساوی) ساتھی ہیں' (۷۱:۹) اور 'مردوں کا اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا' (۳۲:۴)۔ قرآن ایک باصلاحیت عورت کو ملازمت یا سربراہ حکومت بننے سے نہیں روکتا، قرآن صرف بے حیائی سے روکتا ہے، خواہ اس کا ارتکاب مرد کرے یا عورت (۳۵:۳۳)۔

۵۔ عورت اور مرد سب کے سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں اور ایک ہی شخص (حضرت آدمؑ) کی اولاد ہیں، قرآن کہتا ہے 'اے لوگو! (مرد اور عورت)! اپنے اُس زب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (حضرت آدمؑ) سے پیدا کیا' (۱:۴ اور ۱۸۹:۷)۔ اخلاقیات کی پاسداری (۳۵:۳۳)، اعمال کی جزا (۱۹۵:۳، ۴۰:۴۰، ۲:۲۲) یا سزا (۲:۲۲) اور باہمی پردہ پوشی (۱۸:۲) میں مرد و عورت مساوی ہیں۔ کسی شہادت کے لئے ایک مرد کی جگہ دو عورتیں پیش کرنا اس لئے ضروری ہے کہ 'ان دونوں عورتوں میں سے اگر کوئی ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے' (۲۸۲:۲)۔ یہ عدالتی حکم نہیں بلکہ ایک سماجی ہدایت ہے کیونکہ شہادت عورت یا مرد کا حق نہیں بلکہ ایک عام انسانی فرض ہے۔

قرآن نماز کیلئے عورت کی امامت کی نفی نہیں کرتا لیکن یہ کوئی اسلامی روایت نہیں رہی۔ بعض موقع پرست افراد گاہے بگاہے مغربی حکومتوں کو بیوقوف بنانے کی کوششیں کرتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں اسراء نعمانی کی ایماء پر، ڈاکٹر آمنہ سے توہین آمیز انداز میں ایک مخلوط نماز جمعہ کی امامت کرائی گئی۔ سلمہ نسرین، 'شیطانی آیات' کے مصنف

سلمان رشدی اور 'الفرقان الحق' کے مصنف ڈاکٹر انیس سورس بھی اسلام کو بدنام کرنے والی (slanderous) ایسی پروپیگنڈا مہم میں شرکت کر چکے ہیں، لیکن انسانی حکمت کسی صورت حکمت الہی کو عاجز نہیں کر سکتی، قرآن کہتا ہے 'وہ (اہل باطل) چاہتے ہیں کہ نور حق کو اپنی پھونگوں سے بجھا دیں اور اللہ کو گوارا نہیں مگر یہ کہ کفار کی مخالفت کے باوجود اپنے نور کو مقررہ منزل تک پہنچا دے' (۳۳:۹)۔

کسی مسلم معاشرہ میں عورت کے کسی ناروا پردہ یا اسے سربراہ مملکت بننے کے لئے نااہل سمجھنے (male chauvinism) کا تعلق علاقائی سماجی روایات یا پھر مسلم حکمرانوں کی آمریت سے ہے، مذہب اسلام سے نہیں۔

آزاد (سیکولر) معاشرہ میں عورت اتنی آزاد بھی نہیں جتنا کہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ اس سے کاروبار یا ملازمت کی بھی توقع کی جاتی ہے۔ مرد کا دل بہلانا بھی اس کو ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ معاشرہ میں اسے اشرف المخلوقات کے شایان شان مقام دلانے کی بجائے کاروباری اشتہارات اور استقبالیوں میں اس کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے اور عورت کی جنسی کاروبار کو صنعت (sex industry) کا درجہ دیا جاتا ہے۔ سیکولر سیاست میں بھی عورت کا مقام کوئی قابل رشک نہیں رہا۔ مغرب میں مارگریٹ تھیچر کے علاوہ کوئی عورت حکومت کی سربراہ نہیں رہی جبکہ انڈونیشیا، بنگلہ دیش اور پاکستان جیسے اسلامی ممالک میں کئی بار ایسے ہوتا رہا۔ پاکستان جیسے ملک کی پارلیمنٹ میں عورتوں کو انتخاب لڑے بغیر ہی نمائندگی دی جاتی ہے جبکہ وہ عام انتخاب میں بھی شرکت کی اہل ہیں۔ ۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۳ء کلیسا کی ہدایت پر، یورپ میں لاکھوں عورتوں کو ذبح کیا گیا یا زندہ جلا دیا گیا کیونکہ ان پر جادو منتر (witchcraft) جیسے معمولی الزامات تھے۔ اٹھارویں صدی عیسوی تک انگریز قانوناً بیوی کو بیچنے کا مجاز تھا۔ ریفرنڈم کے نتیجہ میں، سویٹزرلینڈ نے ۷ فروری ۱۹۷۱ء کو پہلی مرتبہ عورت کے ووٹ دینے کا حق تسلیم کیا۔ ۱۵ مارچ ۲۰۰۵ء کو امریکی انتظامیہ نے نیویارک کے ایک گرجا کے اندر، اپنی پولیس کے پہرہ میں ڈاکٹر آمنہ کی امامت کا اہتمام کیا، جسے مغربی ذرائع ابلاغ نے خوب اچھالا، لیکن اس کے ایک ماہ بعد، دنیا کے سب سے بڑے گرجا گھر میں پوپ کا انتخاب ۱۱۵ مردوں نے

کیا۔ اس تقریب میں کوئی عورت امیدوار یا ووٹر نظر نہیں آئی اور نہ اس کا نام لیا گیا، حالانکہ یاد دلانے کے لئے حضرت مریمؑ کی تصویر اُدھر آویزاں تھی۔ ان تمام اہم تاریخی حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کے حقوق سلب کرنے کے بارے میں، اسلام کے خلاف مغرب کی واویلا محض بدینتی ہی ہے۔

اسلام نے بظاہر پابندیوں کی شکل میں عورت کو تحفظ فراہم کیا اور وقار بخشا۔ مغربی سیکولر معاشرہ کی ثقافت میں جدیدیت اور آزادی کے نام پر عورت کی نیم عریانی (westernisation) یا فحاشی عورت کا حق نہیں بلکہ اس پر ظلم ہے کیونکہ یہ اس کا استحصال اور انسانیت کی توہین ہے اور اسلام معاشرہ میں ہر ظلم کو حرام قرار دیتا ہے۔

اسلامی شریعت ساتویں صدی عیسوی سے ہی، تمام سماجی حقوق میں عورت کو یقیناً مرد کے مساوی انسان قرار دیتی ہے، تاہم زمینی حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ مرد کے تحفظ کے بغیر عورت کی باوقار بقا یقیناً ممکن نہیں، اسی لئے حکمت الہی (divine wisdom) کو درست ہی ماننا پڑے گا کہ 'مرد عورتوں کا محافظ ہے' (۳۴:۴)۔

اسلام ثقافت میں معتدل روشن خیالی کی جدیدیت چاہتا ہے

مذہب سے آزاد (liberal) ہونے کے باعث، ایک سیکولر معاشرہ اخلاقیات (morality) میں بے لگام روشن خیالی کو جدیدیت سمجھتا ہے جبکہ اسلام ثقافت سمیت، طرز معاشرت کے ہر شعبہ میں اعتدال چاہتا ہے، جو انسان کے لئے ایک متوازن طرز عمل ہے۔ اسلام روشن خیالی کو معاشرہ کی شائستگی (modesty، حیا) تک محدود کرتا ہے تاکہ معاشرہ باوقار اور پرسکون رہے۔ اسی حد کے بعد فحاشی (obscenity) شروع ہوتی ہے جو معاشرہ کے لئے بے قدری اور فتنہ و فساد (turmoil) کا باعث ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اور فطرت جدت کی متقاضی ہے، مگر فطرت بھی جائز اور ناجائز میں تمیز کئے بغیر جدیدیت کی اجازت نہیں دیتی۔ جس فکر یا عمل میں کوئی ظاہر یا پوشیدہ ظلم کا عنصر شامل ہو، تو عقل بھی اسے درست تسلیم نہیں کرتی۔ بدلتے وقت کے نئے

تقاضوں سے ہم آہنگی کے لئے، اسلامی شریعت میں اجتہاد کی سہولت موجود ہے، اسی لئے جائز اور ناجائز میں فرق کرنا مشکل نہیں ہوتا۔

مرد یا عورت کے لئے لباس کے ڈیزائن اور رنگ پر اسلام کوئی پابندی نہیں لگاتا لیکن اس کا بے حیائی سے پاک ہونا لازمی ہے، ایک متوازن مہذب معاشرہ کی ضرورت بھی یہی ہے۔ شفاف یا بہت تنگ اور مختصر لباس کو حیا دار نہیں کہا جاسکتا۔ لباس کے ضمن میں قرآن کہتا ہے 'اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا کہ وہ تمہارے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانپے اور موجبِ زینت بھی بنے اور تقویٰ کا لباس (اندرونی حیا) اس سے بڑھ کر ہے' (۲۶:۷)۔ رسول اللہ نے فرمایا 'اللہ کی لعنت ہو ان مردوں پر، جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر، جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں' (مشکوٰۃ)

قرآن میں داڑھی کا ذکر موجود نہیں لیکن حضرت محمدؐ نے داڑھی رکھی تھی، اس لئے عقیدتاً بہت سارے مسلمان داڑھی رکھتے ہیں۔ بعض مسلمان از خود، اپنی عبادت گزاری کا مظاہرہ نورانی چہرہ سجانے اور مخصوص لباس زیب تن کرنے کے ذریعہ ہی کرتے ہیں۔ اہل کتاب کے ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کو کہنا پڑا کہ 'اے محمد! کیا آپ نے انہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی کی ستائش خود کرتے ہیں؟' (۴۹:۴) اور 'تم (لوگ) اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو، اللہ جانتا ہے کہ متقی کون ہے' (۳۳:۵۳)۔ پاکیزگی کا ذریعہ اخلاص پر مبنی مذہبی فرائض اور معاملات ہیں۔ نیک کردار کی بجائے سجاوٹ سے اسلام کی نمائندگی کرنا اسلام کی توہین ہے۔ حضرت محمدؐ نے ریاکاری کو شرک بتایا ہے۔

دورِ نبوت کے مسلمانوں میں موجود منافقین جو اندر سے یہودی ہوتے تھے، حضرت محمدؐ کو ایذا دینے کے لئے اُن کے اہل بیت پر تہمت لگانے کے درپے رہتے تھے۔ تب ازواجِ مطہرات کے حوالہ سے، سورہ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی 'اے نبی! بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، پرہیزگاری اختیار کرو اور گفتگو میں ملائمت نہ کرو، کہ جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ لالچ کرے، اور قاعدے کے مطابق کلام کرو اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو، اور قدیم جاہلیت کے زمانہ کی طرح اپنے بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرؤ

(۳۳:۳۳)۔ کچھ اوباش لوگ گلی کوچوں میں عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے، اس ضمن میں یہ آیت نازل ہوئی، 'اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی صاحبزادیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں (جلا بیسٹ) لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی، پھر نہ ستائی (molest) جائیں گی' (۵۹:۳۳)۔ معمول کے حالات میں مرد و عورت کے لئے پردے کا حکم ایسے ہے 'اے نبی! مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لئے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔ مسلم عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے، جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں اور اپنی آرائش کو (سوائے حرم) کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں' (۳۱-۳۰:۲۴)۔ حضرت محمدؐ کے سامنے جو خواتین جاتی تھیں ان کا چہرہ کھلا ہوتا تھا اور حج و عمرہ کیلئے احرام کی حالت میں عورت کے لئے چہرہ چھپانا حرام ہے۔ اللہ کے ان فرامین سے ہر کوئی اپنے لئے راہ متعین کرنے میں بااختیار ہے۔

قرآن شانستہ موسیقی یا گائیکی کی نفی نہیں کرتا اور رسول اللہ نے تفریح کے لئے لوگ موسیقی اور گیت پسند فرمائے تھے۔ تاہم بے حیائی پر مبنی موسیقی، گائیکی اور ناچ حرام ہیں۔

تمدن کے حوالہ سے، اسلام معیارِ زندگی میں جدت اور جدید سہولتوں سے استفادہ کرنے سے نہیں روکتا بشرطیکہ یہ آخرت سے غافل نہ کریں (۳۲:۷، ۱۲:۷، ۹:۶۳)۔

اسلام ثقافت میں ایک ایسی جدت (modernity) چاہتا ہے جو فطری اصولوں اور اعتدال پر مبنی ہو۔ مغربی سیکولر معاشرہ کی ثقافت میں بے لگام نام نہاد جدیدیت مغربیت ہی ہے، اسے پوری دنیا کے لئے جدت کا معیار سمجھنا مناسب نہیں، دنیا کی ہر تہذیب کو اپنے ثقافتی ورثہ پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔

اسلام شریعت یا پھر قانونِ فطرت اور عقل پر مبنی اجتہاد کا ایک سادہ مذہب ہے

زندگی کے روحانی اور مادی دونوں شعبوں میں بندگی کے لئے، حقیقی مالک کے فرامین (Commandments) قرآن، اور ان فرامین کی تشریح حضرت محمدؐ کی سُنَّت میں موجود ہیں۔ اسلامی طرزِ حیات (دین، way of life) کے لئے یہی قواعد و ضوابط (DOs and DON'Ts) اسلامی شریعت کہلاتے ہیں۔ اسلام روحانیت اور مادیت کا ایک متوازن امتزاج ہے، اسی لئے اسلامی شریعت کو ایک مکمل ضابطہٴ حیات سمجھا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت کے قوانین اللہ کی حکمت (divine wisdom) پر مبنی ہیں، اس لئے انسانی عقل کے مقابلے میں یہ اٹل (irrevocable) ہیں۔ یہ قوانین فطری نوعیت کے ہیں، اسی لئے اسلامی شریعت بہت سادہ اور آسان ہے۔ اسلامی شریعت کی پیروی نہ صرف اللہ کی بندگی ہے بلکہ اس میں خود انسان کی اپنی ذات کی بھلائی اور پورے معاشرہ کی شائستگی اور امن و سلامتی بھی ہے۔

عَبْدُ کے معنی بندہ اور عِبَادَت کے معنی بندگی کے ہیں۔ نیک عمل اللہ کی چاہت ہے، اسی لئے ہر نیک عمل اللہ کی بندگی یا عبادت ہے، خواہ اس کا تعلق زندگی کے روحانی شعبہ (مذہب) سے ہو یا مادی شعبہ (دنیا داری) سے ہو۔ نیک عمل (مَعْرُوف، virtue) وہ ہے جسے شریعت نیک کہتی ہو یا پھر نیک نیتی پر مبنی ہو اور غیر فطری یا خلاف عقل نہ ہو۔ بُرے عمل (مُنْكَر، vice, evil) سے پرہیز کرنا (تَقْوٰی، piety، Allah's fear) بڑے درجے کا نیک عمل ہے، اسی لئے حضرت محمدؐ نے اسے بہترین عبادت قرار دیا ہے۔ مختصراً یہ کہ گنتی کے چند حرام اعمال کے سوا، ہر وہ عمل جو فطری لگے اور عقل اسے جائز تسلیم کرے، تو وہ حلال ہے۔

اعمال میں سے بالعموم، وہ عمل جس سے انسان کی اپنی ذات سمیت کسی مخلوق کا حق غصب یا سلب ہونے یا اسے جسمانی یا ذہنی اذیت پہنچنے کا احتمال رہتا ہو، ناجائز (حرام، forbidden) ہے، کیونکہ یہ 'ظلم' ہے۔ ایسا عمل عموماً بد نیتی (malafide

(intention) پر مبنی ہوتا ہے اور یہ غیر فطری اور خلاف عقل ہوتا ہے۔ قرآن چونکہ تنگدستی میں بھی مخلوقات سے ہمدردی (احسان، compassion) کرنے کی نصیحت کرتا ہے، اسی لئے ظلم اسلامی شریعت کے ۱۸۰ درجے مخالف سمت جاتا ہے (۱۳۴:۳، ۳۶:۴-۳۸:۲، ۲۸۰:۲، ۴۲:۴، ۱۳:۲۲)۔ انسان کی نیت کے ضمن میں، قرآن کہتا ہے 'اللہ نگاہوں کی خیانت اور دل کی رازوں تک جانتا ہے' (۱۹:۴۰ اور ۵:۱۱، ۱۵۳:۳-۱۵۶:۳، ۲۳:۳۱)۔

حرام اعمال میں مضر صحت اشیاء کا استعمال (۳:۵)، شراب و منشیات (۵:۹۰-۹۱، ۴۳:۴)، سود اور جوا یا سٹے (speculation) کا کاروبار (۲۷:۲، ۹۰:۵-۹۱) اور رُہبانیت (۲۷:۵۷) شامل ہیں۔ جو عمل معاشرہ کے امن و سکون یا اس کی تہذیبی شائستگی میں خلل ڈال سکتا ہو مثلاً فساد (۴۷:۲۸، ۳۳:۵) اور فحاشی (۳۳:۷، ۳۷:۴۲)، تو وہ پورے معاشرہ پر ظلم ہے۔ عقائد میں 'شُرک' ظلمِ عظیم ہے (۱۳:۳۱) کیونکہ اس میں مالکِ حقیقی کا حق مارا جاتا ہے، اور مذہبی فرائض میں بدعت (concoction) اور خرافات (absurd traditions) جائز نہیں (۱۹:۱۷ و ۲۷) کیونکہ یہ عمل حکمتِ الہی کے خلاف ہے۔

نحوست اور بد شکونی (۱۳۰:۷، ۴۷:۲۷) سمیت وہم پر مبنی تخیلات مثلاً بھوت، سایہ اور ٹونے ٹونکے جائز نہیں، یہ سب غیر فطری اور خلاف عقل باتیں ہیں۔ رازداری پر مبنی (پُر اسرار) اعمال مثلاً صوفی ازم کی بعض اشکال، گمان (speculation) اور فال گیری سے قرآن منع کرتا ہے (۶۷:۵، ۹:۴۶، ۱۲:۴۹، ۹۰:۵)، اور فال گیری میں ستاروں، پتھروں اور اعداد پر مبنی نام نہاد علوم شامل ہیں۔ علمِ غیب کا دعویٰ کرنا حرام ہے، قرآن کہتا ہے 'آسمانوں اور زمین والوں میں سے اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا' (۶۵:۲۷ اور ۱۲۳:۱۱)۔ موسیٰؑ پیش گوئیاں علمِ غیب کے زمرے میں نہیں آتیں کیونکہ ان کا تعلق فطرت پر سائنسی مشاہدات سے ہے اور فطرت سے استفادہ کرنا اللہ کا حکم ہے (۱۹۰:۳-۱۹۱)۔

حضرت محمدؐ نے ۱۰ھ (۶۳۱ء) میں جب حضرت معاذؓ ابن جبل کو یمن کی امارت (گورنری) کے لئے پُٹا تو ان سے پوچھا کہ 'کوئی فیصلہ کیسے کرو گے؟' حضرت معاذؓ نے کہا

کہ قرآن سے، اگر اس میں نہ ملے تو سنتِ رسولؐ کے مطابق اور اگر اس میں بھی نہ ملے تو میں خود اجتہاد کروں گا۔ حضرت محمدؐ اس جواب سے نہایت مسرور ہوئے۔

شریعت اللہ کی جانب سے ہے اور فطرت اللہ کی تخلیق ہے، اسی لئے دونوں میں کوئی تضاد موجود نہیں۔ عقل و شعور بھی اللہ کی تخلیق ہے لیکن اس کا استعمال کرنے والا غلطی کا پتلا ہے، اسی لئے عقل کا صحیح استعمال ہی انسان کی حقیقی آزمائش ہے۔ وقت کے تقاضوں کے مطابق، زندگی میں کوئی ایسی نئی صورتحال پیش آ سکتی ہے جو بظاہر اسلامی شریعت سے باہر ہو۔ اس سے نبٹنے کیلئے قانونِ فطرت اور عقل کے مطابق ایسا لائحہ عمل تجویز کرنا جو بظاہر خلاف شریعت نہ ہو، اجتہاد کہلاتا ہے۔ فوری ضرورت کے تحت ایک شخص ذاتی اجتہاد کر سکتا ہے مثلاً ایک نئی صورتحال یا عمل جسے عقل (common sense) غیر فطری یا بظاہر خلاف شریعت سمجھے، حرام ہے ورنہ وہ حلال ہے۔ کسی سنگین نوعیت کی ایک نئی صورتحال کے حرام یا حلال ہونے کی دلیل ایک ماہر شریعت قرآن و سنت میں ڈھونڈھ سکتا ہے، یہ شخصی رائے فتویٰ (verdict) کہلاتی ہے اور اس کی کوئی عام قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔ کوئی نئی صورتحال پورے معاشرہ کو ایک لمبی مدت کے لئے متاثر کر سکتی ہے، اس کے لئے پارلیمنٹ کے مسلم ماہرین شریعت کی مجلس قائمہ، اجتماعی تدبیر کے بعد ہی ایسے قوانین وضع کرنے کی مجاز ہے جو شریعت سے ہم آہنگ ہوں۔ انسانوں کے بنائے ہوئے یہ قوانین غیر اٹل (revocable) تصور ہوتے ہیں۔ اسی اجتہاد کے باعث اسلامی شریعت فرسودہ نہیں ہوتی۔ عقل و شعور سے کام لینے کی اللہ نے ایک سو سے زائد بار تاکید کی ہے مثلاً 'جو لوگ سنتے نہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے وہ (انسان نہیں) حیوانات کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں' (۲۴:۲۵ اور ۱۷۹:۷)، 'یقیناً بدترین خلاق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں، گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے' (۲۲:۸ اور ۲۲:۱۱)، 'نصیحت تو وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوں' (۱۹:۱۳)، '(اے محمد!) یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور تدبیر والے اس سے رہنمائی حاصل کریں' (۳۹:۲۸ اور ۲۶۹:۲، ۱۵۵:۶)، 'جو (لوگ) بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر جو بہترین بات ہو اس پر

عمل کرتے ہیں، یہی ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت (guidance) دی ہے اور یہی عقلمند ہیں' (۱۸:۳۹ اور ۱۹۰:۳-۱۹۱) اور 'جس بات کا تجھے علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ (پہلے علم حاصل کر) کیونکہ سماعت، بینائی اور عقل (جیسی صلاحیتوں سے اللہ نے تم کو نوازا ہے اور) ان میں سے ہر ایک سے (روز قیامت) پوچھ گچھ کی جانے والی ہے' (۳۶:۱۷ اور ۲۰:۱۱، ۲۶:۲۶، ۱۰:۶)۔ دستیاب صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہوئے قانونِ فطرت پر تفکر کی ضرورت پر زور دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام اندھی تقلید پر یقین (blind faith) کا ایک جامد مذہب نہیں بلکہ دینِ تحقیق ہے جو فطرت کے ساتھ ساتھ ارتقائی (evolutionary) بھی ہے۔

غیر اسلامی دنیا میں بسنے والے مسلمانوں پر ان ہی ممالک کے قوانین کا احترام لازم ہے کیونکہ اسلام ایک روادار مذہب ہے۔ ایسے خواتین و حضرات ذاتی اجتہاد کر کے ایک آسان اور باوقار طریقہ سے اسی معاشرہ کا حصہ بن سکتے ہیں۔

غیر مسلموں کو اللہ کے پیغام سے آگاہ کرنا ہر مسلم فرد کا فرض ہے

آخری نبی حضرت محمدؐ کی وفات پر نبوت کا سلسلہ ۶۳۲ء میں اختتام کو پہنچا (۴۰:۳۳)۔ اسلام چونکہ سیاسیات جیسی چرچ تک محدود مذہبی پیشوائیت (clergy) اور مخصوص مبلغین (missionaries) کے نظام کا تصور نہیں رکھتا، اس لئے ختمی رسولؐ کے بعد، اللہ کا پیغام غیر مسلموں کو ایک عمدہ طریقہ سے پہنچا کر انہیں نصیحت کرنے کا فریضہ ہر مسلمان فرد کے سپرد ہے۔ اس فرض (duty) کو تبلیغ و دعوتِ اسلام کہا جاتا ہے۔ قرآن اس ضمن میں کہتا ہے 'اے ایمان والو! تم ایک اچھی امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم بھلائی (مُغْرُوف، virtues) کے لئے کہتے ہو اور برائی (مُنْکِرَات، vices, evils) سے روکتے ہو' (۱۱۰:۳ اور ۱۲۳:۲، ۷۸:۲۲) اور 'تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو بھلائی کی جانب دعوت دے اور بُرے کاموں سے روکے' (۱۰۴:۳)۔ واضح رہے کہ بھلائی اور بُرائی کا تعلق صرف روحانیت سے نہیں بلکہ یکساں

طور پر دنیاوی معاملات سے بھی ہے کیونکہ اسلامی شریعت ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

تبلیغ کے لئے مندرجہ ذیل چار نکات پر غور و فکر کرنا لازمی ہے:

۱۔ تبلیغ ایک 'عمدہ طریقہ' سے کرنا اللہ کا حکم ہے۔ قرآن کہتا ہے 'دعوت دوائے رب کی راہ کی طرف، حکمت اور پسند و نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو' (۱۶:۱۲۵)۔ پیغمبروں کا فرض ادا کرنے کے لئے پہلے ان جیسا اُسوۂ حسنہ اپنانا ہو گا۔ ایک مبلغ کا اپنا رویہ اور سماجی کردار قابل رشک ہونا پہلی ضرورت ہے۔ تعصب اور نفرت کر کے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچانا ممکن ہی نہیں، اسی لئے غیر مسلموں سے ملاپ اور پُر خلوص پیار و محبت دوسری ضرورت ہے۔ ان لوگوں سے 'عمدہ' مباحثہ تیسرا قدم ہے۔ 'عمدہ' سے مراد یہ ہے کہ مباحثہ کے لئے ماحول سازگار ہو اور یہ قرآن و سنت یا پھر قانون فطرت اور عقل کے ٹھوس دلائل پر مبنی ہو۔ ایک مبلغ کا ہدف دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنا نہیں بلکہ پیغام الہی پہنچا کر، ایک مہذب طریقہ سے انہیں قائل کرنا ہے۔ مناظرہ کا اہتمام کر کے انہیں نیچا دکھانا جاہلیت ہے، شیوہ پیغمبری نہیں۔

۲۔ تبلیغ اسلام مسلمان کیلئے اللہ کی بندگی (عبادت) کرنے کا ایک ذریعہ ہے، لیکن حضرت محمدؐ و اصحابؓ اور صحابیاتؓ نے اللہ کی بندگی کیلئے جو طریقہ کار اختیار نہ کیا ہو، اُسے اختیار کرنا بدعت ہے اور بدعتی طریقہ سے تبلیغ کرنا کارِ ثواب نہیں بلکہ موجب عذاب ہے۔ سنت کا طریقہ وہی ہے جو حضرت محمدؐ نے تبلیغ کے لئے اپنایا تھا۔ وہ اپنے روزمرہ کے معمولات کے دوران ہی موقع کی مناسبت سے لوگوں کو تبلیغ کرتے رہے۔ چونکہ لوگ ان کے سچے کردار سے متاثر تھے، اس لئے وہ اسلام قبول کرتے رہے۔ بعض اوقات وہ شریعت سے باخبر کسی ایچی کو لوگوں کے پاس بھیجتے رہے۔ آپؐ نے روم، ایران، مصر اور حبش سمیت کئی ملکوں کے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کے دعوت نامے بھی ارسال کئے تھے۔ افریقہ میں مکہ کے تاجروں اور جنوبی ایشیاء میں یمن کے تاجروں نے کاروبار کے دوران ہی لوگوں کو اپنے خلوص سے متاثر کرتے ہوئے اسلام پھیلایا۔ تبلیغ کے نام پر ترک عمل جائز نہیں کیونکہ اس کا تعلق رُہبانیت سے ہے اور اللہ رُہبانیت سے اپنی لا تعلقی بیان کرتا ہے (۵۷:۲۷)۔ اسلام روحانیت اور مادیت کا امتزاج ہے اور خود ترک مادیت

کرتے ہوئے دوسروں کو قائل نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام دین فطرت ہے۔ قرآن کہتا ہے 'اے ایمان والو! ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو خود کیا نہیں کرتے (why don't you practise what you preach) اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی باتیں کہو جو خود کرتے نہیں' (۲:۶۱-۳ اور ۲۲۳:۲۶-۲۲۶) اور 'کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ دوسروں کو بھلائی کے لئے کہتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم قرآن پڑھتے ہو' (۲:۴۳)۔ کردار کی بجائے گفتار سے لوگوں کو اسلام سے متاثر کرنے کی کوشش اسلام کی توہین ہے۔ اور آخر یہ کہ تبلیغ و دعوت کا کوئی معاوضہ لینا جائز نہیں (۷۲:۱۰)، (۹۰:۶، ۱۲:۱۰۴، ۲۵:۵۷، ۲۶:۱۲۷)۔

۳۔ اسلام کے بارے میں ہند لفظ فہمیاں عام ہیں، اس لئے اکیسویں صدی عیسوی جیسے کمپیوٹر دور میں، لوگوں کو قائل کرنا ہو گا کہ اسلام ساتویں صدی عیسوی کی عرب ثقافت پر جامد مذہب نہیں بلکہ یہ دین فطرت ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہر زمانہ فطری تقاضوں سے ہم آہنگ رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسلام کسی صورت تشدد اور عدم برداشت کا تصور حیات نہیں (۲:۲۵۶) بلکہ معاشرتی استحکام اور ہمدردانہ معاملات (compassion) کے حوالہ سے، اسلام کے معنی ہی 'امن و سلامتی' کے ہیں۔ جہاد عسکریت پسندی یا دہشت گردی نہیں بلکہ ان کی ضد ہے اور اسلام تلوار سے نہیں بلکہ مخلصانہ کردار ہی سے پھیلا ہے۔

۴۔ مسلمان کا فریضہ ایک بظاہر گمراہ شخص کو 'مخلصانہ نصیحت' کرنے تک محدود ہے، وہ شخص مانتا ہے یا نہیں، یہ حساب لینا اللہ کی ذمہ داری ہے (۱۳:۴۰)۔ اسلام کو لوگوں سے زبردستی قبول کروانے کی کوشش قرآن کی خلاف ورزی ہے (۲:۲۵۶)۔ اسی لئے روز قیامت کسی مسلمان سے 'جہنمیوں کے بارے میں پرسش نہیں ہوگی' (۱۱۹:۲) اور نہ یہ پوچھا جائے گا کہ کتنے بندے مسلمان کر کے آئے ہو۔ واضح رہے کہ ایک بظاہر گمراہ شخص کو جہنمی، کافر یا کوئی دوسرا بُرا لقب دیتے ہوئے اس کا مذاق اڑانا حرام ہے، ممکن ہے کہ اللہ کی نگاہ میں وہ اُس کا ایک بہتر بندہ ہو (۱۱:۴۹)۔

اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے میں ہر انسان باختیار ہے

از روئے قرآن انسان کا مقصد حیات اپنے خالق و مالک کی بندگی کرنے میں اُس کی آزمائش ہے (۵۶:۵۱، ۲:۶۷)، اسی لئے اللہ نے اُسے آزاد اور باختیار پیدا کیا ہے کیونکہ آزادی اور اختیار دئے بغیر کسی کی آزمائش بے معنی ہے۔ اسلام کسی رازداری کا مذہب نہیں ہے (۳۶:۹، ۶۷:۵)، اللہ واضح الفاظ میں فرماتا ہے 'قرآن نصیحت ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے' (۸۰:۱۲ اور ۱۸:۲۹)، 'قرآن تمام جہان والوں کیلئے نصیحت ہے (بالخصوص) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ ('خالص' توحید) چلنا چاہے' (۸۱:۲۷-۲۸)، 'جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف کا راستہ اختیار کرے' (۲۵:۵۷)، 'یہ دن (یوم قیامت) یقینی ہے پس جس کا جی چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنا لے' (۳۹:۷۸)، 'دین (اسلام) میں کوئی زبردستی نہیں' (۲۵۶:۲)، '(اے محمد!) آپ پر ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ، سب انسانوں کے لئے نازل کی ہے، پس جو شخص سیدھا راستہ اختیار کرے گا اپنے لئے کرے گا اور جو بھٹکے گا، اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا، تم ان کے ذمہ دار نہیں' (۳۹:۳۹)، اور '(اے محمد!) اگر تیرا رب چاہتا تو کرۂ ارض کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے' (۹۹:۱۰-۱۰۰ اور ۱۱۸:۱۱-۱۱۹، ۲۵۳:۲)، 'ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے بلکہ اس کی یاد دہانی کے لئے، جو اللہ کا خوف رکھتا ہے' (۲۰:۲۰-۲۱ اور ۶:۱۸)، 'تمہارا رب تم سے بہ نسبت تمہارے، بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کر دے اور اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے، ہم نے تمہیں ان کا ذمہ دار ٹھہرا کر نہیں بھیجا' (۵۴:۱۷)، '(اے محمد!) آپ کے ذمہ صرف تبلیغ کرنا ہے' (۲۸:۲۲)، '(لوگو!) اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، پس اگر تم اس سے اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف (ہمارا پیغام) پہنچا دینا ہے' (۱۲:۶۳ اور ۸۲:۱۶، ۸۰:۴، ۶:۱۸)، '(اے پیغمبر!) تیرا کام صرف ہمارے احکام پہنچا دینا ہے (کوئی مانتا ہے یا نہیں) اس کا

حساب ہماری ذمہ داری ہے' (۱۳:۴۰ اور ۶:۴۲) اور 'کیا لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کئے گئے اور آسمانوں کو کس طرح بلند کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کس طرح گاڑ دئے گئے اور زمین کی طرف کہ وہ کس طرح بچھائی گئی، پس (اے محمد!) آپ نصیحت کر دیا کریں کیونکہ آپ نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان (لوگوں) پر جبر کرنے والے نہیں ہیں' (۸۸:۱۷-۲۲ اور ۵۰:۴۵، ۶:۱۰۶-۱۰۷، ۸۱:۲۷، ۹۲، ۳:۱۲۸، ۲۹:۱۸، ۱۷:۳۶)۔

قرآن چونکہ ہر مسلم و غیر مسلم کو اپنی رائے کے اظہار میں آزادی اور اختیار (freedom of expression) کا حق دیتا ہے اس لئے اس کا یہ پیدائشی حق غصب یا سلب کرنا ظلم ہے اور یہ ایک خلاف قرآن عمل ہے۔ تاہم نیک نیتی کے ساتھ کسی کو عمدہ طریقہ سے، بھلائی کی نصیحت کرنا اور اُسے بُرائی سے روکنے کی کوشش کرنا جائز ہے (۱۰۳:۱۱۰-۱۰۴) تاکہ روز قیامت احتساب میں اُس کا بھی بھلا ہو۔ انسان کو ہدایت (guidance) اور توفیق اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا، اس ضمن میں قرآن کہتا ہے 'مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہے وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دے' (۱۳۲:۲)، 'انہیں ہدایت دینا (اے محمد!) تیرے ذمہ نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' (۲۷۲:۲ اور ۲۳:۳۹)، 'آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ (اہل سمجھتے ہوئے) جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم بھی اُسی کو ہے' (۵۶:۲۸)، '(آگاہی کے باوجود اسلامی توحید سے) نافرمانی کرنے والوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا (کیونکہ انسان باختیار ہے)' (۵:۶۱)، اور 'جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو گمراہ کر دے تو آپ اس کا کوئی کارساز مُرشد نہ پائیں گے' (۱۷:۱۸)۔ اسی لئے کسی گمراہ شخص سے نفرت کرنا مناسب نہیں، اس کے لئے دعا کرنی چاہئے کہ 'اللہ اُسے ہدایت دے'۔

آزادی اور اختیار کا مطلب یہ ہے، کہ روز قیامت ہر شخص اپنے اعمال کا خود ہی ذمہ دار ہوگا، لہذا کسی انسان کے لئے اپنے اسلاف کی نیکیوں کا سہارا لے کر ترک عمل درست نہیں۔

اللہ نے انسان کو سماعت، بینائی اور عقل اس لئے عطا کی ہیں (۳۶:۱۷) کہ وہ ان صلاحیتوں کے ذریعہ غور و فکر (تحقیق) کر کے خود ہی اپنا مقصد حیات معلوم کر لے۔ انسانی وجود سمیت تمام مظاہر فطرت میں 'نشانیاں' بتاتی ہیں کہ ایک یکتا ہستی ان کی خالق اور اس لئے ان کی حقیقی مالک ہے، اور اس نے انہیں بے مقصد پیدا نہیں کیا (۱۹۱-۱۹۰:۳)۔ یہی ہستی اپنے کلام میں بتاتی ہے کہ میں نے انسان کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے (۵۶:۵۱، ۲:۶۷) اور خالص توحید پر یقین رکھنا ایسی بندگی کے لئے اولین ضرورت ہے۔ قرآن فکر و عمل میں لائحہ عمل کے لئے، نہ صرف ذاتی تحقیق کی تاکید کرتا ہے بلکہ آباؤ اجداد، علماء (clerics) یا پیروں (saints) اور درویشوں (mystics) کی اندھی تقلید سے بھی بار بار ممتنع کرتا ہے (۲:۲۱۷، ۲۳:۳۳، ۱۷۰:۲، ۱۰۴:۵، ۴۴:۷، ۷۰:۷، ۱۰۲:۱۸، ۳۵:۱۶، ۱۰۴:۱۳، ۳۱:۹)۔

اپنا مقصد حیات معلوم کر کے اس کا حصول انسان کی سب سے بڑی آزمائش ہے اور اس کے لئے اللہ نے اسے با اختیار بنایا ہے۔ مسلم گھرانوں کی طرح غیر مسلم گھرانوں کے بچے بھی، فطری طور پر مسلم اور گناہ سے پاک پیدا ہوتے ہیں (۳۰:۳۰، ۷۲:۷)۔ ایسا ایک بچہ عقل و حواس سنبھالے پر، اگر اپنا مقصد حیات معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور اپنے والدین کے غیر حقیقی خداؤں کی بندگی کرنے پر قائم رہتا ہے تو روز قیامت اس غفلت کے لئے، اللہ کے سامنے خود ہی جوابدہ ہوگا (۳۶:۱۷، ۶۰:۳۶، ۶۱:۶)۔ غور و فکر کرنے کے لئے ذاتی صلاحیتوں کے ہوتے ہوئے، بطور عذر وہ یہ بھی نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے کسی مسلم فرد نے اللہ کی بندگی کے لئے دعوت نہیں دی تھی۔ قرآن کہتا ہے 'اللہ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں' (۱۰۶:۱۸، ۱۰۲:۱۸)۔

اللہ نام کی یکتا ہستی ایک حقیقت ہے

انسان ہمیشہ سے کسی یکتا ہستی کے متعلق سوچتا رہا ہے جس نے مخلوق سمیت کائنات کو پیدا کیا اور اس کا نظام سنبھالا ہوا ہے۔ کائنات کی نعمتیں اُسے اس ہستی سے شکر و محبت کا

احساس دلاتی ہیں جبکہ مفلسی یا یکے بعد دیگرے مصائب اُسے اس ہستی سے بغاوت پر اُکساتے ہیں۔

ہندوستان کے ایک علاقائی مذہب جین مت اور سیکولر اقوام کے کافی افراد خالق و مالک کائنات (God) کے وجود کے قائل نہیں ہیں۔ برطانیہ میں نصف کے قریب لوگ دہریہ (atheist) ہیں اگرچہ وہاں کا اکثریتی مذہب عیسائیت ہے، یہی صورتحال اسرائیل کی بھی ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ تناسخ (transmigration of soul) بھی یوم محشر کی نفی ہے حالانکہ ان کی ویداکتب 'اگلی حیات' کا ذکر کرتی ہیں، اگرچہ یہ وضاحت نہیں کرتیں، کہ یہ حیات کس جہان میں ہوگی۔ زیادہ تر کمیونسٹ اور سوشلسٹ افراد بھی دہریہ ہوتے ہیں۔ مشرکین عرب کے بارے میں اللہ نے فرمایا 'اے نبی! اگر تم ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ خود کہیں گے کہ 'اللہ نے' (۸۷:۳۳)، 'ان سے پوچھو! تم کو آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون جاندار کو بے جان اور بے جان (انڈا، بیج) کو جاندار سے نکالتا ہے؟ کون اس عالم کے نظام کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ 'اللہ، کہہ دیجئے! پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) باز کیوں نہیں آتے' (۳۱:۱۰ اور ۱۶۳:۲، ۸۴:۲۳-۹۰، ۵۲:۳۵-۳۷، ۲۲:۱۰، ۵۶:۵۸-۷۲) اور 'کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان تلے فضا میں تیرتے ہیں، انہیں کوئی نہیں تھامتا سوائے اللہ کے' (۷۹:۱۶)۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی ہاشعور انسان ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو ایک شدید زلزلہ یا آسمانی بجلی گرنے یا کسی ہولناک طوفان میں پھنس جانے پر محسوس نہ کرتا ہو کہ ایک ایسی قوت ضرور موجود ہے جس نے اس کائنات کا نظام سنبھالا ہوا ہے۔ یہ بعد کی بات ہے کہ اس قوت کی نوعیت کیا ہے؟

خالق کائنات کے بارے میں غور و فکر کرتے ہوئے چند سوالات فطری طور پر ذہن میں اٹھتے ہیں کہ کیا واقعی ایسی کوئی ہستی موجود ہے؟ اس ہستی کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شناخت کیا ہے؟ کیا یہ ہستی اکلوتی ہے یا اس کا کوئی شریک بھی ہے؟ اور اس نے کائنات کا یہ نظام آخر کیوں بنایا ہے؟

مسلم عقیدہ کے مطابق ایک یکتا ہستی یقیناً موجود ہے جس نے کائنات کو تخلیق کیا اور اس کا نظام سنبھالا ہوا ہے۔ وہی ہستی جملہ مخلوقات کی خالق اور ان کی پالنے والی (رب) بھی ہے۔ اسی ہستی کا نام 'اللہ' ہے۔ 'اللہ' ایک ایسا لفظ ہے جو کسی مخلوق کا نام نہیں، اس کی جمع یا تصغیر بھی نہیں بن سکتی، یہ ہر حالت میں واحد رہتا ہے۔ اس ہستی کی مزید بڑائی بیان کرنے کے لئے مسلمان اسے 'اللہ تعالیٰ' کہتے ہیں۔ اس ہستی کے 'وَجُود' کی حقیقت جاننا کسی بھی طریقہ سے انبیاء سمیت، انسان کے لئے ممکن نہیں ہوا۔ 'اللہ' کا وجود مادی نہیں، اسے کسی نے دیکھا نہیں مگر قرآن اس کی حقیقت، نظام کائنات میں موجود اس کی 'صفات' کی نشانیاں بتاتا ہے۔ کائنات پر گھلے عام غور و فکر (تحقیق) کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہستی حقیقتاً موجود ہے جو مظاہر فطرت میں سے ہر ایک کو اس کی اپنی ہی شکل میں پیدا کرتی ہے، اسے پالتی ہے، اپنے زیرِ اقتدار رکھتی ہے اور آخر کار اسے فنا کر دیتی ہے، یہی تمام اس ہستی کی صفات یا اوصاف کی نشانیاں ہیں۔ انسان خود بھی ان نشانیوں میں سے ایک ہے اسی لئے اس کا خالق و مالک بھی 'اللہ' ہی ہے۔ میڈیکل سائنس بتاتی ہے کہ انسانی جسم کا ہر خلیہ (cell) ایک کمپیوٹر کی طرح کام کرتا ہے اور تمام خلیے اپنے عضو کے اندر نیٹ ورکنگ کی طرح آپس میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ تمام اعضاء آپس میں ایک دوسرے سے خون کی نالیوں اور اعصابی ریشوں کے ذریعہ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح انسانی جسم ان گنت کمپیوٹرز کے نیٹ ورکنگ نظام پر مشتمل ہے۔ قرآن کی روشنی میں، صفات کی ان نشانیوں سے بالواسطہ طور پر، 'اللہ' کے وجود پر یقین کرنا 'ایمان بالغیب' کہلاتا ہے جو بالکل ایسا ہے جیسے ایٹم، کششِ ثقل اور انرجی مثلاً بجلی، حرارت اور گیس وغیرہ کو سائنسدانوں نے دیکھا نہیں، لیکن ان کی حقیقت پر ان کے اوصاف کے ذریعہ سے یقین کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ انسانی عقل صرف ایک حد تک کام کرتی ہے اور ماورائے عقل باتوں پر یقین کرنے کو قرآن میں ایمان بالغیب (عقیدہ) کہا گیا ہے (۳:۲)، اس کی دلیل وحی (قرآن) ہے حکایات یا افسانے اور تخیلات یا مفروضے نہیں (۱۳۶:۴، ۱۷۷:۲)۔ اس لئے ایمان بالغیب کو اندھی تقلید پر یقین (blind faith) نہیں کہا جاسکتا۔

قرآن کسی بشر کا کلام نہیں بلکہ یہ کسی یکتا ہستی کا کلام ہے اور قرآن کہتا ہے 'یہ ہستی بے مثل ہے اور یہ سنتی ہے اور دیکھتی ہے' (اسے کسی مقام پر جانے کے لئے ویزا یا کسی سواری کی ضرورت نہیں ہے) (۱۱:۳۲ اور ۱۰۳:۶، ۷۴:۱۶، ۷۵:۱۷، ۷۶:۳، ۷۷:۳)، اور 'اس جیسا کوئی نہیں' (۴:۱۱۲)، اسی لئے انسان، بندر یا کوئی دوسری مخلوق اس ہستی کے 'وجود' کے مظہر نہیں ہو سکتے۔ مخلوقات کو اسی نے پیدا کیا اور وہ سب فانی ہیں مگر خود یہ ہستی لافانی ہے (۸۸:۲۸ اور ۲۶:۵۵-۱۰۲:۶، ۳۷-۱۰۲:۶)۔ 'نہ اس (اللہ) سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا' (۳:۱۱۲) اور اس کا وجود مادی نہیں۔ یہ ہستی بے مثل ہے، اسی لئے اس کی تذکیر و تانیث نہیں بن سکتی۔ لیکن عربی گرامر میں موزوں لفظ نہ ہونے کے باعث اسے 'هُوَ' (He) کہا گیا ہے۔ قرآن مزید کہتا ہے 'اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، پھر وہ کائنات کے تحت سلطنت (عرش) پر متمکن ہوا، اسی نے سورج اور چاند کو مسخر کیا ہے، ہر ایک میعاد معین پر گشت کر رہا ہے، وہی (اللہ) ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ اپنی (صفات کی) نشانیاں کھول کھول کر بیان کر رہا ہے کہ تم (روز قیامت) اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو' (۲:۱۳ اور ۱۰:۳، ۶)۔ 'اللہ ہی ہے جو لائقِ عبادت ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ جاوید ہے اور سب کا تھامنے والا ہے، جسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، اس کی ملکیت ہے آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں' (۲۵۵:۲)، 'وہ ہر شے یا کسی خاص مخلوق میں موجود (incarnated) نہیں اور' (یہ آفاقی ہستی اپنی عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے جیسی صفات کے باعث، صرف اوپر ہی نہیں بلکہ) تم جدھر بھی منہ کرو گے 'اللہ' کو اُدھر ہی متوجہ پاؤ گے' (۲:۱۱۵، ۳:۶)، 'نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے' (۱۰۳:۶) اور 'اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے' (۲۲:۲۱)۔ اس طرح اللہ ہی کائنات کا مقتدر اعلیٰ ہے اور وجود و صفات دونوں میں، یہ یکتا ہستی واحد و لاشریک ہے۔

انسان کی تخلیق کے مقصد سے متعلق قرآن کہتا ہے 'میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا کہ وہ صرف میری بندگی (عبادت) کریں' (۵۱:۵۶) اور 'اس نے

موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے اعمال کون کرتا ہے (۲:۶۷) اور (۲:۷۶)۔ اس طرح عقیدہ (ایمان) اور عمل میں آزمائش ہی انسان کا مقصد حیات ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے بعد ایک دوسری حیات بھی ہے، جس میں اسی امتحان کا نتیجہ سنایا جائے گا۔

قرآن کہتا ہے 'اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر شے کا نگہبان ہے' (۶۲:۳۹)۔ خود اللہ کو کس نے تخلیق کیا اور کون اُس کا نگہبان ہے؟ تصور ایمان بالغیب کے علاوہ، اسی سوال کا کوئی جواب موجود نہیں، لیکن مخلوق کے لئے اپنے خالق کی تخلیق کے بارے میں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

عیسائیت، یہودیت اور ہندومت خالق کائنات کے وجود کے قائل ہیں اور اسے گاڈ یا بھگوان جیسے نام سے ایک ہی (واحد) مانتے ہیں لیکن اس کی ذات (وجود) یا خدائی (صفات) میں کسی نہ کسی مخلوق کو بھی، اُس کا شریک ٹھہرا لیتے ہیں اور اسی مخلوق کے ذریعہ (وسیلہ) سے اُس تک رسائی (قرب) حاصل کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ ان وسیلہ مخلوق کی صورتوں کو سامنے رکھ کر عبادت (پوجا) کرتے ہیں اور ان ہی سے مدد (دعا) مانگتے ہیں، اسلام اسے شرک (polytheism) کہتا ہے۔ اسلام بھی خالق کائنات کے وجود کا قائل ہے اور اسے واحد سمجھتا ہے لیکن مسلمان کسی وسیلہ مخلوق کو بیچ میں لائے بغیر، براہ راست اُسی کی عبادت کرتے ہیں اور اُسی سے ہی مدد مانگتے ہیں (۵:۱)۔ اللہ تک رسائی کی یہی سیدھی راہ 'خالص توحید' کہلاتی ہے اور اسی لئے اسلام کو 'دین توحید' کہا جاتا ہے۔

قرآن اللہ ہی کا کلام ہے

قرآن ساتویں صدی عیسوی کی کتاب ہے۔ سائنس اُس وقت ابتدائی (primitive) مراحل میں تھی، اس لئے قرآن کے بعض بیانات کا مفہوم لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ تاہم حضرت محمدؐ کے سچا ہونے پر یقین کے باعث، اس وقت لوگ ان

باتوں کو اللہ کا کلام مانتے رہے۔ ان بیانات میں سے بیشتر کا تعلق کائنات کے نظام سے ہے۔ سائنس جوں جوں ترقی کرتی گئی تو یہی باتیں لوگوں کی سمجھ میں آنے لگیں اور مزید باتیں سمجھ میں آ رہی ہیں۔ دورِ حاضر کے سائنس دان قائل ہیں کہ قرآن میں موجود، ساتویں صدی عیسوی کے یہ بیانات انسانی کلام نہیں ہو سکتے۔ نظامِ فطرت کے بارے میں اُس وقت کے درست بیانات کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اُس ہستی کا کلام ہے جس نے کائنات تخلیق کی ہے اور اُس کا نام 'اللہ' ہے۔ اللہ فرماتا ہے 'یہ قرآن تمام جہان والوں (entire humanity) کے لئے ایک نصیحت ہے، یقیناً تم اس کی حقیقت کو، کچھ ہی عرصہ بعد (پوری طرح) جان لو گے' (۸۸-۸۷:۳۸)، 'اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا، پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ٹھیک سات آسمان بنائے اور ہر شے اُس کے علم میں ہے' (۲۹:۲) اور 'آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم نے ہی بنایا ہے' (۳۲:۲۱)۔ واضح رہے کہ سات آسمانوں کو سائنس سات فضائی جہیں کہتی ہے جو زمین پر حیوانات و نباتات کو مضر صحت شعاعوں سے محفوظ رکھتی ہیں، اوزون (ozone) والی تہہ (ozonosphere) ان میں سے ایک ہے۔

قرآن کہتا ہے 'اور اللہ کے کام اندازے پر مقرر کئے ہوئے ہیں' (۳۸:۳۳) اور (۲۱:۱۵، ۳:۶۵) اور 'ہر چیز کو اللہ نے پیدا کر کے مناسب اندازے پر ٹھہرا دیا ہے' (۲:۲۵) اور (۹۶:۶، ۴۹:۵۴، ۶۰:۵۶، ۸۰:۲۲)۔ اللہ کے یہ اندازے (تقدیر الہی، قدر divine schedule، لوح محفوظ divine register) میں مستقل طور پر درج ہیں، تاکہ کائنات کا نظام رواں دواں رہے۔ یہ تمام اندازے اللہ کی ایسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں جس میں جلد یا بدیر، مخلوقات کی بہتری ہوتی ہے (۲۷:۴۲)۔ ساتویں صدی عیسوی میں اپنے ان اندازوں کے بارے میں اللہ کہتا ہے '(اے محمد!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں' (۴۳:۳، ۴۹:۱۱)۔ اللہ کے مستقل اندازوں پر چلنے والے مظاہر فطرت کی چند مثالیں یہ ہیں۔ 'وہی اللہ ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو نورانی بنایا اور ان کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو، اللہ نے یہ چیزیں بیکار نہیں پیدا کیں، وہ یہ دلائل ان (لوگوں) کو

صاف صاف بتلا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں (۵:۱۰)، 'وہی اللہ ہے جس نے رات کو تمہارے لئے پردہ بنایا، نیند کو راحت بنایا اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت، اور وہی اللہ ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور اسے ہم اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلاتے ہیں' (۴۹:۲۵)، 'اور سورج کے لئے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے، یہ ایک غالب اور علم والی ہستی کا مقرر کردہ ہے' (۳۸:۳۶) اور 'نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے، سب (اجرام) اپنے اپنے مدار پر فلک میں تیر رہے ہیں' (۴۰:۳۶) اور (۳۳:۲۱)۔ یاد رہے کہ عیسائی کلیسا نے فطرت کے بارے میں جتنے بھی دعوے کئے تھے، ان میں سے اکثر سائنس نے غلط ثابت کر دئے۔ حکمرانی چونکہ چرچ کی تھی اس لئے سائنس دانوں کی زندگی خطرے میں پڑ گئی مثلاً زمین کو گول کہنے والوں کو زندہ جلادیا گیا۔ اس کے برعکس، اسلام دینِ فطرت ہے اور فطرت کے مشاہدات سے ہی انسان کو اپنا مقصد حیات معلوم کرنے کی نصیحت کرتا ہے، قرآن کہتا ہے 'آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات و دن کے آنے جانے میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں، یہ (عقلمند) وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے، اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر (تحقیق) کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا' (۱۹۰:۳-۱۹۱)، گویا اسلام دینِ تحقیق ہے۔ قرآن میں بے شمار جگہ 'لوگ کہتے ہیں' (قَالُوا، they say...) اور 'اے تم! کہہ دیجئے ان لوگوں سے' (قُلْ، say to them...) قسم کی آیات موجود ہیں، اس طرح قرآن ایک گھلے مباحثہ (reasoning) کی کتاب ہے۔

ڈارون نے ۱۸۵۹ء میں مخلوقات کی مختلف اقسام (species) کی تخلیق سے متعلق، تدریجی میکاکی ارتقاء (evolution) کا اپنا ایک نظریہ پیش کیا۔ لوگ خیالی تصویریں بنا کر بندر کو بتدریج انسان کی شکل اختیار کرتے ہوئے درسی کتب میں دکھاتے رہے، لیکن خود مغرب کے ماہرینِ ارتقاء (evolutionists) نے جب سینکڑوں ملین

برس پرانی، پتھرائی ہوئی ہڈیوں (fossils) کا موجودہ جانوروں سے موازنہ کیا تو ان میں کوئی تبدیلی نہیں پائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شے کو خالق نے اُس شے کی اپنی ہی صورت (design) میں تخلیق کیا ہے، وہ ڈارونِ ارتقاء کے طور پر پیدا نہیں ہوئی۔ قرآن کہتا ہے 'وہی اللہ ہے، تخلیق کرنے والا، وجود بخشنے والا اور صورت بنانے والا' (۲۳:۵۹)، 'وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے، بناتا ہے' (۶:۳) اور (۴:۹۵)، '۸:۳۲، (۶:۴۰)، 'پاک ہے وہ ذات جس نے مختلف اقسام کے جوڑے (جانداروں میں فرماؤہ اور مادہ میں مثبت و منفی) پیدا کئے، خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (انسانوں) میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں' (۳۶:۳۶)، (۵۳:۵۳) اور (۶:۳۹)، 'وہی اللہ ہے' جس نے بہت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی، پھر اس کی نسل ایک بے قدر پانی کے نچوڑ (نطفہ) سے چلائی' (۸:۳۲) اور (۲۲:۳۸، ۲۳:۱۳-۱۶، ۵۸:۵۹-۵۹) اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا، ان میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں، بعض دو ٹانگوں پر چلتے ہیں، بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے' (۲۲:۳۸ اور ۳۰:۲۱)۔

سائنس اور قرآن دونوں کہتے ہیں کہ کائنات ازلی نہیں، یہ تخلیق کی گئی ہے۔ سائنس کہتی ہے کہ کائنات اتفاقی طور پر، ایک زور دار دھماکہ (big bang) کے نتیجہ میں معرض وجود میں آئی، اسی وقت زمان (وقت) و مکان (مادہ) بھی وجود میں آئے۔ دھماکہ کی توانائی اس کے پھیلنے سے کم ہوئی اور دھوکیں کے سرد پڑ جانے سے مادہ وجود میں آیا۔ یہ دھماکہ کہاں، کیوں اور کیسے ہوا؟ بے جان اشیاء سے جاندار کیسے تخلیق ہوئیں، زمان کیسے وجود میں آیا؟ اور یہ نظام کائنات پندرہ بلین برس سے ایک منظم طریقہ پر کیسے قائم ہے؟ سائنس جواب دینے سے قاصر ہے۔ اس لئے بگ بینک نظریہ سائنسی حقیقت نہیں ہو سکتی۔ دھماکہ تو سورج سمیت پوری کائنات میں ہوتے رہتے ہیں لیکن ان سے کوئی نئی شے پیدا نہیں ہوتی۔ حالیہ سائنس کا قانون (law) ہے کہ مادہ کو تخلیق یا ضائع نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کہتا ہے کہ کائنات کو اللہ تعالیٰ نے چھ دن (ادوار) میں تخلیق کیا اور پھر اس کے

تخت سلطنت (عرش) پر متمکن ہوا۔ ہر چیز کا خالق ہونا اور حاکم ہونا اللہ ہی کے لئے خاص ہے، وہ تمام مخلوقات کا رب ہے (۵۴:۷، ۳۱:۱۰، ۱۰۱:۶، ۱۰۱:۳۵، ۴۱:۱۰، ۳۰:۲۱، ۴۰:۵۷، ۲۹:۲، ۳۳:۶۷)۔ وقت (زمان، عصر یا دورانیہ) کے ضمن میں قرآن کہتا ہے 'وہ (اللہ) رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے اور سورج اور چاند کو اسی نے کام پر لگا رکھا ہے، ہر ایک میعاد معین پر چل رہا ہے' (۱۳:۳۵، ۵:۳۹، ۵:۱۰، ۲:۱۳، ۳:۳)۔ کائنات کی تخلیق اتفاقی یا حادثاتی نہیں بلکہ ایک خاص مقصد سے ہے (۸:۳۰، ۱۹:۱۵، ۲۰:۸۵) اور وہ یہ کہ انسان مظاہر فطرت پر غور و فکر کرے اور ان کے خالق و مالک کے ایک حقیقت ہونے (existence) پر یقین کرے اور صرف اُسی کی بندگی (عبادت) کرے (۵۶:۵۱)۔ گویا اسلام اندھی تقلید پر یقین (blind faith) کا نہیں بلکہ تحقیق کا مذہب ہے۔ بہت سے سائنس دان قائل ہیں کہ ستاروں، سیاروں اور جانداروں کا ایسا مربوط نظام ایک حادثاتی واقعہ نہیں ہو سکتا، یہ نظام صرف ایک ایسی ہستی وضع کر سکتی ہے جو کائنات پر کامل تصرف کر سکتی ہو۔

سائنس اور قرآن دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات ابدی نہیں، بلکہ ایک دن جملہ موجودات نے یکسر فنا (perish) ہو جانا ہے اور اس کے بعد ایک نیا نظام لایا جائے گا۔ موجودہ نظام زندگی کے انجام کے بارے میں سائنس بتاتی ہے کہ پندرہ بلین برس گذر جانے کے بعد بھی بگ بینک کے سبب کائنات پھیل رہی ہے لیکن اس کی قوت رفتار میں بتدریج کمی آرہی ہے اور مادہ باہمی کشش کے باعث کائنات کو سکڑنے اور واپس ایک نقطے پر جمع کرنے کی طرف کھینچ رہا ہے۔ نتیجتاً ایک وقت آئے گا جب کائنات کا پھیلنا ختم ہو جائے گا اور پھر یہ سکڑنا شروع ہو جائے گی اور اس میں موجود تمام اشیاء ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے، باہم پیوست ہو کر واپس ایک نقطے (black hole) میں فنا ہو جائیں گی اور زمان و مکان کا جو ادراک آج ہم رکھتے ہیں، وہ ختم ہو جائے گا۔ قرآن کہتا ہے 'اے (محمد!) زمین پر جو کچھ بھی ہے سب فنا ہونے والا ہے، صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے، باقی رہ جائے گی' (۲۶:۵۵، ۲۷:۲۸، ۸۸:۲۸، ۸:۳۰)۔ مظاہر فطرت کا یہ اختتامی وقوعہ ناگہانی ہوگا۔ قرآن اس کا منظر اس طرح پیش کرتا ہے 'یقیناً قیامت کا زلزلہ

بہت بڑی (ہولناک) چیز ہے جس دن تم اسے دیکھ لو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے اور تو دیکھے گا کہ لوگ مدہوش دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی شدید' (۲۱:۲۲)، 'جس دن صور (سینگ، Trumpet) پھونکا جائیگا تو سب کے سب آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا اٹھیں گے مگر (وہی محفوظ رہے گا) جسے اللہ چاہے گا' (۸۷:۲۷)۔ عمل صالح والے لوگ اس گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے (۸۹:۲۷، ۱۰۳:۲۱، ۶۸:۳۹، ۱۰۲:۲۰)، اور ہمارا علم تو ایک دم کی بات ہے جیسے پلک کا جھپکنا' (۵۰:۵۴)۔ آسمان اور تارے اچانک پھٹ جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑ جائیں گے اور زمین ایک گھلا اور ہموار میدان رہ جائے گی (۸۲:۱-۲، ۵:۱۰۱، ۶۶:۳-۵، ۶۶:۵۶، ۱۰۵:۲۰، ۱۰۷:۱۸، ۲۷:۲۷، ۸۸:۲۷، ۱۳:۶۹، ۳۲) اور جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ (سب کے سب انسان اٹھ کھڑے ہو کر اللہ کی عدالت کے جانب) دوڑ پڑیں گے اور (ان کا) اکٹھا کر لینا (حشر) ہم پر بہت ہی آسان ہے' (۵۰:۵۰، ۴۴:۳۶، ۴۸:۱۸، ۴۸:۷۸، ۱۸:۹۹، ۶۱:۲۹)۔ ان ناگہانی ہولناک واقعات کا یہ دن 'روز قیامت' کہلاتا ہے۔ قبروں سے مردوں کے اچانک اٹھ کھڑے ہونے کو قیامت (قیامت resurrection) کہا جاتا ہے۔

قرآن ۲۳ سال کے عرصہ میں، حالات و واقعات کے مطابق، تھوڑا تھوڑا کر کے فرشتہ کے ذریعے اتارا گیا۔ حضرت محمدؐ ہر وحی اُسی وقت لوگوں کو بتاتے اور صحابہؓ اسے حفظ کرتے رہے۔ اللہ کے کلام (قرآن) اور حضرت محمدؐ کے اپنے ذاتی کلام (حدیث) میں فرق بڑا واضح ہے لیکن پھر بھی، اس ضمن میں لوگوں کے اعتراضات کے جواب میں قرآن کہتا ہے 'اے محمد! کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے؟ کہو کہ پس تم اس کے مثل ایک ہی سورہ لاؤ اور اللہ کے سوا جن جن کو بلا سکو، بلاؤ اگر تم سچے ہو' (۳۸:۱۰)، 'اس سے پہلے تو آپ کوئی کتاب پڑھتے نہ تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے (یعنی اُن پڑھتے تھے) کہ یہ باطل لوگ شک و شبہ میں پڑتے، بلکہ یہ (قرآن) تو روشن نشانیاں ہیں جو اُن لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ ہیں، جنہیں علم بخشا گیا

ہے (۲۹:۴۸-۴۹) اور تو کیا ایسا ہے کہ یہ لوگ (اہل کتاب) قرآن پر غور نہیں کرتے حالانکہ یہ اگر اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت سے تضادات پاتے (۸۲:۴)، گویا قرآن اس ہستی کا کلام ہے جو اکلوتی ہے۔

اپنے تاریخی واقعات کے بیانات سے متعلق قرآن کہتا ہے 'گذشتہ لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کیلئے عبرت ہے' (۱۱:۱۲ اور ۸۱:۷ و ۸۴ و ۹۱، ۲۷:۳۹)۔ قرآن میں جتنے تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ درست ثابت ہو رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن اللہ ہی کا کلام ہے۔ حضرت محمدؐ تو پڑھے لکھے نہیں تھے جو درست تاریخ تصنیف کر لیتے (۵:۲۵)۔ موسیٰ کے تعاقب میں فرعون کی موت کا لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں قرآن کہتا ہے 'پس آج (اے فرعون!) ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تم اُن کے لئے نشانِ عبرت بن سکو جو تیرے بعد آنے والے ہیں اور یقیناً بہت سے لوگ ہماری نشانوں سے غافل ہیں' (۹۲:۱۰)۔ یہ لاش (Ramsess II) ۱۸۹۸ء میں سمندر کے ساحل پر پڑی ملی، ماہرین نے اس کی تصدیق کی اور تب سے یہ قاہرہ کے عجائب گھر میں لوگوں کے دیدارِ عبرت کیلئے محفوظ ہے۔

سائنس مانتی ہے کہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا، عقل اور فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اسی لئے قرآن کو یقین کے ساتھ اُس یکتا ہستی کا کلام مانا جائے گا جو خالق کائنات ہے اور اسلام اسے 'اللہ' کہتا ہے۔ خالق کی حکمت کو مخلوق کی عقل پر فوقیت دینا ایک فطری امر ہے اسی لئے قرآن کے ہر حوالہ کو بلاشبہ معتبر سمجھنا چاہئے، یہی ایمان بالغیب کا فلسفہ ہے۔

اللہ کائنات کا مقتدرِ اعلیٰ ہے اور وہ ظلم نہیں کرتا

مسلم عقیدہ کے مطابق، اللہ ہی کائنات کا خالق اور نظام کائنات کا مقتدرِ اعلیٰ ہے، قرآن کہتا ہے 'اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی ملکیت ہے اور ہر ایک شے اس کے فرمان کے تحت ہے' (۲۶:۳۰ اور ۲۵:۱۹، ۵۴:۷، ۴۰:۱۲، ۶۲:۳۹)، اسی کے ہاتھ میں مکمل اقتدار ہے (۸۳:۳۲ اور ۱۲۶:۴، ۶۲:۱، ۱۸۹:۳، ۱۲۰:۵)، وہ اپنے کاموں

کے لئے (کسی کے آگے) جوابدہ نہیں اور سب (مخلوق اس کے آگے) جوابدہ ہے (۳۲:۲۱، ۲:۶۷)، وہ جو چاہے کر گزرتا ہے (۱۸:۸۵، ۱۸:۲۲، ۱۰۷:۱۱) لیکن وہ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا (۴۰:۴) اور اے جنات و انسانو! اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ تم زمین و آسمان کی حدود سے کہیں باہر نکل بھاگ سکتے ہو تو بھاگ کر دیکھ لو (۳۳:۵۵)۔ اللہ بڑا غالب (All-Mighty) اور جاننے والا (All-Knowing) ہے (۹۶:۶، ۷۸:۲۷ وغیرہ) اور وہ غالب اور حکمت والا (All-Wise) ہے (۱۲۹:۲، ۱۸:۳ و ۱۲۶ وغیرہ)۔ قرآن مزید کہتا ہے 'اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر شے کا نگہبان ہے' (۶۲:۳۹)۔ واضح رہے کہ اللہ کے مقتدرِ اعلیٰ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اُس نے انسان کو کوئی ذمہ داری سونپی ہی نہیں اور ہر کام خود ہی فرشتوں سے کرواتا ہے۔ اللہ نے ہر کام کے انجام (destiny, fate) کے لئے اپنے اندازے قانونِ فطرت (تقدیرِ الہی) کی شکل میں لکھے ہوئے ہیں لیکن انسانی بس میں، ہر کام کے لئے منصوبہ بندی (تدبیر) کر کے اس کی ابتداء کرنے کی کوشش انسان ہی کی ذمہ داری ہے، البتہ اس عمل کا جو انجام ہو گا وہ اللہ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے (۴۱:۲۲)۔ انسان کے لئے قانونِ فطرت کا مطلب یہ ہے کہ ہر غیر فطری عمل حاکمِ الہی کی خلاف ورزی ہے، دوسرے یہ کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے لیکن وہ اپنے معمول (تقدیرِ الہی) کے خلاف نہیں کرتا۔

جنوری ۲۰۰۵ء میں انڈونیشیا اور سری لنکا کے قریب بحر ہند میں ایک شدید زلزلہ کے باعث، خوفناک سمندری لہریں (Asian tsunami) تین لاکھ سے زائد افراد کو اہل و عیال سمیت چند منٹوں میں بہا کر لے گئیں۔ تب ایک امریکی ٹی وی پر مباحثہ میں سوال اٹھایا گیا کہ ہر چیز کا نگہبان ہوتے ہوئے اللہ اتنی بڑی غفلت یا ظلم کیسے کر سکتا ہے؟

'انفرادی' مصائب کے بارے میں قرآن کہتا ہے 'یقیناً اللہ (دنیا و آخرت دونوں میں) لوگوں پر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ (اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال نہ کرتے ہوئے) خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں' (۴۴:۱۰) اور 'یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا (غفورٌ رحیم) ہے' (۱۷۳:۲ اور ۱۸۲ و ۱۹۲)، کل پچاس سے زائد بار)۔ اس لئے اللہ

کی رحمت سے مایوسی گناہ (حرام) ہے۔ اللہ کہتا ہے 'میری رحمت ہر شے پر محیط ہے' (اسے میری جملہ صفات پر فوقیت حاصل ہے) (۱۵۶:۷ اور ۴۰:۴۰، ۷:۴۰) لیکن اللہ عادل بھی ہے اس لئے وہ ظالم کو معاف نہیں کرے گا جب تک وہ مظلوم سے معافی نہ مانگے اور توبہ نہ کرے۔ قرآن مزید کہتا ہے، 'اور مصیبت تم پر جو واقع ہوتی ہے وہ تمہاری اپنی کرتوتوں کے سبب ہے اور وہ (اللہ) تو بہت سی (خطائیں) معاف کر دیتا ہے' (۳۰:۴۲ اور ۶۲:۴، ۳۶:۳۰) اور اگر اللہ لوگوں کی کرتوتوں پر فوری مواخذہ شروع کر دے تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے' (۴۵:۳۵ اور ۶۱:۱۶، ۵۸:۱۸)۔ اللہ کی نگاہ میں 'شرک ظلم عظیم' ہے (۱۳:۳۱)، اس لئے اللہ اگر گناہوں پر دنیا میں سزا دیتا تو باندے آپے (انڈونیشیا) کے مسلمان مشرکوں سے زیادہ متاثر نہ ہوتے۔ 'قومی' سطح پر جو لوگ انبیاء کی واضح تنبیہ کے باوجود اپنی بد اعمالیوں پر بھد رہے، تو اللہ نے انہیں اجتماعاً ہلاک کر دیا (۸:۶۵)۔ ان میں حضرت نوحؑ، لوطؑ اور شعیبؑ کی قوموں سمیت قوم عاد، قوم ثمود اور قوم سبا شامل ہیں۔ اللہ یوں دفعۃً لوگوں کو پکڑ کر ہلاک نہیں کر دیتا، وہ کہتا ہے 'اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے، جب تک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیں (تاکہ وہ اُس قوم کو متنبہ کر سکے)' (۱۵:۱۷، ۵۹:۲۸) اور رسولوں کا سلسلہ ساتویں صدی عیسوی میں ختم ہو چکا (۴۰:۳۳)۔ ان قرآنی دلائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ سونامی سمیت کسی قدرتی آفت (natural disaster) کو گمان (قیاس، suspicion) کی بنا پر اللہ کی جانب سے سزا سمجھنا یا ظلم قرار دینا درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زلزلے، سیلاب، طوفان اور آسمانی بجلی فطرت کے معمول ہیں اور خود بھی فطرت کا حصہ ہونے کے باعث، انسان کا قدرتی آفات سے متاثر ہونا ایک فطری عمل ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نظام فطرت کے مقتدر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے، اللہ فطرت کی تباہ کن قوتوں کو قابو کیوں نہیں کرتا، کہ لوگ مر جانے سے بچ جائیں؟ مسلم عقیدہ کے مطابق قدرتی آفات محض ایک بہانہ ہوتا ہے، لوگوں نے جس وقت مرنا ہوتا ہے وہ مقررہ وقت (اجل) پہلے سے لوح محفوظ (divine register) میں لکھا ہوا ہوتا ہے، قرآن کہتا ہے 'اور کسی جاندار کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر

اسے موت آ جائے، یہ وقت تو لکھا جا چکا ہے' (۱۲۵:۳) اور 'تم یہاں بھی ہو، موت تمہیں آ پکڑے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ ہو' (۷۸:۳)۔ قرآن مزید کہتا ہے 'جس بات کا تجھے علم نہ ہو، اس کے پیچھے مت پڑ، کیونکہ (اللہ نے تجھے) کان، آنکھ اور دماغ (جیسی صلاحیتوں سے نوازا ہے)، ان میں سے ہر ایک سے (روز قیامت) پوچھ گچھ کی جانے والی ہے' (۳۶:۱۷ اور ۷۸:۲۳، ۷۸:۱۶، ۷۸:۳، ۱۹۰:۳، ۱۹۱، ۷۸:۲۲-۲۳)۔ اس طرح اللہ قرآن کے ذریعہ انسان کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نظام فطرت کا علم حاصل کرے، اس کے خالق اور مقتدر اعلیٰ پر ایمان لائے اور انسانی بس میں زمانہ حد تک، فطرت کی تباہ کاریوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی تدبیر اور کوشش کرے، ورنہ ان میں پھنس جانا خود انسان کی اپنی غفلت اور کرتوت کا نتیجہ تصور ہو گا۔ اللہ بڑی حکمت والا ہے۔

اسلام اور سونامی کے والہ ت آخری سوال یہ اٹھتا ہے کہ جن لوگوں کو موت نہیں آئی اور بے قصور ہیں، انہیں اتنی بڑی مصیبت کیوں آئی؟

سونامی کے زندہ متاثرین کے لئے جانی اور مالی نقصان اللہ کی جانب سے ان کے صبر و برداشت کی آزمائش ہے، اللہ کہتا ہے 'اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے خوف سے، بھوک و پیاس سے، مال و جان اور فصلوں کے نقصان سے، اور ان صبر کرنے والوں کو (کامیابی کی) خوشخبری دیجئے جنہیں جب کبھی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم سب اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم سب کو اس کی طرف پلٹنا ہے، (۱۵۵:۲-۱۵۷ اور ۱۸۶:۳، ۳۵:۲۱، ۳۹:۳۹)۔ کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے (تقدیر الہی کے طور پر) ایک کتاب میں نہ لکھ رکھا ہو، ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے (یہ سب آپہ اس لئے ہے) تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اس پر تم رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں کرتا جو خود بھی نخل کریں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی تعلیم دیں' (۲۳:۵۷) اور 'اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' (۲۸۶:۲ اور ۲۵۲:۶، ۶۲:۲۳، ۷:۶۵)،

یہی وجہ ہے کہ سونامی کے متاثرین میں جینے کا جذبہ برقرار رہا اور اللہ اور روز قیامت پر، ان کا عقیدہ مزید مضبوط ہوا۔ سونامی کے مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا دوسرے لوگوں کیلئے خدمتِ خلق میں ان کے اخلاص کی آزمائش ہے، کیونکہ ان کے اموال میں اللہ نے محتاجوں کا حصہ مقرر کر رکھا ہے (۲۵:۲۳-۲۴، ۱۹:۵۱، ۲۷:۲۳-۲۴، ۲۱۹:۲، ۳۸:۴۷)، اس میں انہیں آئندہ کے لئے بچاؤ کی مشاورت اور تکنیکی مدد بھی شامل ہے۔ یاد رہے کہ اسلام انسانی ہمدردی (compassion) پر مبنی ایسے ہی عالمی معاشرہ کا درس دیتا ہے جو سونامی کے فوراً بعد نظر آیا۔

آخرت (آخِرۃ، life-hereafter) میں اپنی مہربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے 'جو بندہ ایک نیکی ساتھ لائے گا اس کا دس گنا اجر ملے گا اور جو ایک برائی لائے گا تو اُسے اس کے برابر بدلہ دیا جائے گا اور کسی فرد پر ظلم نہیں کیا جائے گا' (۱۶۰:۶ اور ۸۴:۲۸، ۴۰:۴، ۱۳:۲۸، ۹:۳)، 'یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے اور اس پر جتنے رہے (تو روز قیامت) ان پر خوف ہوگا اور نہ رنج' (۱۳:۴۶ اور ۳۰:۴۱)، 'اے انسان! تجھ کو کس چیز نے تیرے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا' (۷۶:۸۲) 'آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے، اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو، اللہ بڑا قدردان ہے اور وہ سب کے حال سے واقف ہے' (۱۴۷:۴)، 'جو شخص بھی نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش ضائع نہیں کی جائے گی، ہم تو اس کے لکھنے والے ہیں' (۹۴:۲۱ اور ۹۷:۱۶)، 'جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ جنتی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے' (۸۲:۲ اور ۴۰:۴۰، ۶۲:۲، ۹:۳۱، ۱۷:۱۹)، اور 'جو بات تم سے غلطی سے ہو جائے اس پر گناہ نہیں لیکن جو ارادہ سے کرو گے (تو اس پر مواخذہ ہے) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے' (۵:۳۳ اور ۴۹:۱۵)۔ قرآن مزید کہتا ہے 'اگر بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے تو تمہارے چھوٹے موٹے گناہوں کو ہم حساب سے ساقط کر دیں گے اور تمہیں ایک معزز جگہ (جنت) میں داخل کر دیں گے' (۳۱:۴)، 'یقیناً اللہ اسے نہیں بخشا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے اور اس کے سوا جسے چاہے، بخش دیتا ہے' (۲۸:۴) اور

(۱۴:۲۸)، حالتِ نزاع سے پہلے اگر انسان توبہ کر لے تو وہ شرک بھی معاف کر دیتا ہے (۱۶۰:۲، ۱۶:۴، ۱۸:۵، ۷۴:۵)۔ اللہ مزید فرماتا ہے 'اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو صرف گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں' (۵۶:۱۵) اور 'اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، یقیناً وہ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا، وہ بڑا غفور و رحیم ہے' (۵۳:۳۹)۔ واضح رہے کہ یہاں زیادتیوں سے مراد اسلام قبول کرنے سے پہلے یا مسلمان کے توبہ و استغفار کرنے سے پہلے، کے گناہ ہیں۔ اگر غیر مسلم ایمان لے آئیں اور مسلمان توبہ و استغفار کر لیں، تو وہ روز قیامت اللہ کو بڑا بخشنے والا مہربان پائیں گے۔

حضرت محمدؐ آخری نبی ہیں

اسلام 'خالص' توحید (belief in the existence of one single God) کا مذہب ہے جبکہ ہندو، یہودی اور عیسائی مشرکانہ توحید پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ مذاہب حضرت محمدؐ کی نبوت اور قرآن پر بھی یقین نہیں رکھتے، مگر بنیادی طور پر عقیدہ توحید میں اختلاف کی بنا پر ہی، ان مذاہب کو غیر مسلم مانا جاتا ہے۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا 'میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، (مشکوٰۃ)۔ حج کے موقع پر آخری خطبہ میں بھی انہوں نے آنے والے کسی نبی کا اشارہ نہیں دیا۔ قرآن کہتا ہے کہ حضرت محمدؐ آخری نبی (خاتم النبیین) the final one of all messengers (of Allah، ہیں (۴۰:۳۳)۔ لہذا مسلمان کے لئے عقیدہ ختم نبوت (Finality of Messengerhood) کا پابند ہونا لازمی ہے۔ اس عقیدہ کی خلاف ورزی کرنے والا غیر مسلم تصور ہوتا ہے۔ ایسے ایک گروہ کا نام فرقہ احمدیہ ہے۔

احمدی فرقہ ایک منفرد غیر مسلم گروہ ہے جو دنیا بھر میں اسلام ہی کے نام پر تبلیغ میں سرگرم عمل ہے۔ اس فرقہ کا تاریخی پس منظر یوں ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد، دہلی کے انگریز حکمران مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے بڑے خائف تھے۔ ان کے ماہرین

نے محسوس کیا کہ مذہبی عقیدہ کے حوالہ سے، مسلمان بڑے جذباتی ہوتے ہیں لہذا طاقت کی بجائے انہیں ان ہی خطوط پر تقسیم کر کے محکوم (divide and rule) بنایا جائے۔ اس لئے انہوں نے چند نامور مسلم علماء کو مراعات دیں جنہوں نے انگریز کے حق میں جہاد کے خلاف فتوے جاری کئے۔ اسی ضمن میں ایک سرکاری ملازم، غلام احمد مرزا (۱۸۳۵ء-۱۹۰۸ء) نے ابتداء میں مہدی آخر الزمان ہونے کا دعویٰ کیا، جو درست ثابت نہیں ہوا۔ اُس نے اسلام کے مجدد ہونے کا بھی دعویٰ کیا حالانکہ قرآن و سنت حکمت الہی پر مبنی ہیں، کوئی انسان ان میں تجدید کا اہل ہی نہیں اور کسی متنازع مسئلہ کے لئے شریعت میں اجتہاد کی سہولت پہلے سے موجود ہے۔ اُس نے مسیح معبود کا بھی دعویٰ کیا جو ان کی قبر پر مکتوب بھی ہے۔ آخر کار اس نے خاتم النبیین کی اصطلاح میں 'خاتم' کا ترجمہ تصدیقی مہر کرتے ہوئے، خود کو نبی قرار دیا، حالانکہ ختم کے لغوی معنی سر بند یا سر بہر کر دینے کے ہیں۔ مسلم دنیا کے تمام اہل علم اور عرب ممالک کے تمام افراد، عربی لفظ ختم کے معنی سر بند یا سر بہر کر دینے کے کرتے ہیں، اس لئے عقل نہیں مانتی کہ صرف عجم سے ایک ہی فرد کا کوئی مختلف معنی درست ہو۔ خود قرآن میں دوسرے مقامات پر لفظ ختم 'سر بند یا سر بہر کر دینے' کے معنی اور مفہوم میں ہی استعمال ہوا ہے (۷۵:۳۶، ۴۶:۶، ۷۷:۲)۔

احمدی ازم کی بنیاد ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء میں رکھی گئی۔ قادیانی اور لاہوری گروہ فرقہ احمدیہ کی دو شاخیں ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں اور احمدی فرقہ کے پیروکاروں کے مابین کشمکش چونکہ بڑی رہی اس لئے اجتہاد کی غرض سے، پاکستان کی مجلس شوریٰ مسلسل ۵ اگست تا ۶ ستمبر ۱۹۷۴ء، اس وقت کے قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا ناصر اور لاہوری گروہ کے سربراہ صدر الدین کا موقف سننا رہا، لیکن کوئی ٹھوس دلیل پیش کرنے میں ناکامی پر، انہیں عقیدہ ختم نبوت کی خلاف ورزی کا مرتکب پایا اور اسی لئے، فرقہ احمدیہ کے دونوں گروہوں کو خارج از اسلام قرار دے دیا۔ اس کے بعد تمام اسلامی ممالک فرقہ احمدیہ کو غیر مسلم قرار دے چکے ہیں۔ احمدی جماعت ۱۹۸۹ء تا ۱۷ ستمبر ۱۹۹۱ء مرزا خورشید احمد اور دوسرے رہنماؤں کے ذریعہ، پاکستان کی عدالت عالیہ (لاہور) میں بھی اپنا موقف درست ثابت

کرنے میں ناکام رہی ہے۔

احمدی فرقہ کے پاس چونکہ اپنا کوئی الہیہ (divine) ثبوت موجود نہیں، اس لئے یہ قرآن ہی کو اپنی کتاب بتاتا ہے اور اسلام کے نام پر ہی احمدی ازم کی تبلیغ کرتا ہے۔ مغرب میں اسے بڑی پذیرائی حاصل ہے کیونکہ اس کے بانی جہاد معطل قرار دے چکے ہیں، حالانکہ قرآن کے کسی حکم کو معطل کرنے کا اختیار حضرت محمد سمیت، کسی انسان کو حاصل نہیں (۳۲:۶، ۱۱۵، ۱۸:۲۷، ۷۸، ۷۹، ۲۱:۶، ۲۱:۳۲، ۲۵:۱۶)۔

چھٹی اور ساتویں صدی عری میں اہل کتاب کے علماء تورات و انجیل میں، کلام الہی کے معنی یا مفہوم اپنے ہی مطلب کے مطابق نکالا کرتے تھے، اس ضمن میں قرآن کہتا ہے 'یقیناً (۱۷:۱) ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبادت خیال کرو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے' (۷۸:۳) اور (۲۱:۶، ۲۱:۳۲، ۱۷:۱)۔ (۱۷:۱) میری آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور صرف میرا ہی خوف کرو، اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ' (۲۱:۲-۲۲) اور (۱۹۹:۳، ۴۴:۵، ۹۰:۹)۔ 'یقیناً جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یہ لوگ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں' (۱۷:۲) اور (۷۹) اور 'قیامت کے روز یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ کے بھی حصہ دار ہوں گے' انہیں یہ بے ملسی سے گمراہ کرتے رہے تھے' (۲۵:۱۶)۔

تاریخی حالات و واقعات کا جائزہ لیا جائے تو فرقہ احمدیہ کا وجود مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ دلائل الہیہ کے بغیر ایک گروہ سیاسی تو ہو سکتا ہے لیکن وہ مذہب نہیں بن سکتا اور قرآن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسے ہی اپنی کتاب تسلیم کرنے کو ایک صحتمند عقل جائز نہیں مانتی۔ اس طرح احمدی ازم کی مثال ایک بے بنیاد عمارت کی سی ہے۔ انسانی حکومت کسی صورت علماء الہی پر غالب آ نہیں سکتی، اسی ضمن میں قرآن کہتا ہے 'وہ (اہل باطل) چاہتے ہیں کہ نور حق کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ کو گوارا نہیں مگر یہ کہ وہ کفار کی مخالفت کے باوجود اپنے نور کو مقررہ منزل تک پہنچا دے' (۳۲:۹)۔ اس لئے اب تک بہت سارے پیروکاروں کے علاوہ، اس جماعت کے چند سرکردہ رہنما بھی غلطی کا

احساس ہونے پر توبہ کر چکے ہیں اور واپس اسلام قبول کر گئے ہیں۔ اسلام اور جہاد کے بارے میں غلط فہمیاں کم ہونے پر مغربی حکومتیں بھی، اس کی پشت پناہی چھوڑ دیں گی۔ اس طرح مستقبل قریب میں اس کا مکمل انہدام یقینی ہے۔ قرآن درست ہی تو کہتا ہے کہ 'انسان بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے' (۷۲:۳۳)۔

اکیسویں صدی عیسوی میں اسلامی دنیا کے تذلیل کی ذمہ دار کون ہیں؟

مسلمانوں کا وطرہ رہا ہے کہ وہ سیکولرازم اور غیر مسلموں کو اپنے مصائب کے ذمہ دار ٹھہراتے ہیں لیکن اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں کرتے۔ یہ صورتحال ایک زندہ قوم کو زیب نہیں دیتی بلکہ وہ گھلے ذہن کے ساتھ عالمی تاریخ سے سبق سیکھتی ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے اپنی اپنی قوم کو خالص توحید اور انسانی مساوات کا پیغام دیا لیکن اہل کتاب کے بعض لوگوں نے ملائیت (clergy) کو اپنا پیشہ بنایا اور حاکمیت کا درجہ حاصل کیا۔ چودھویں صدی عیسوی کے دوران علوم و فنون میں نمایاں ترقی یورپ کی نشاۃ ثانیہ (renaissance) کہلائی۔ رومن کیتھولک پاپائیت کی طرز حاکمیت اور دین میں تنگی لوگوں کو پسند نہیں آئیں، لہذا سولہویں صدی عیسوی میں مارٹن لوتھر نے پاپائیت کے خلاف احتجاجی تحریک چلائی اور ۱۵۴۲ء میں پروٹسٹنٹ فرقہ کی بنیاد رکھی، جبکہ عوام نے جاگیردارانہ نظام (feudalism) سمیت مذہب سے آزادی (liberalism) کی تحریک چلائی اور سیکولرازم اختیار کی۔ گویا مغربی دنیا نے سیکولرازم مجبوری سے اپنائی ہے، تاہم اٹھارہویں صدی عیسوی میں مشین کی ایجاد سے صنعتی انقلاب نے اسے دوام بخشا۔ مسلم حکمرانوں، ملاؤں اور جاگیرداروں کے ہاتھوں مسلم دنیا بھی کچھ ایسی ہی صورتحال سے دوچار رہی ہے۔

حضرت محمدؐ نے ساتویں صدی عیسوی میں دنیا کا پہلا جمہوری نظام رائج کیا۔ وہ ۶۳۲ء میں وفات پا گئے۔ اس کے تیس سال بعد ہی مسلمانوں نے اس نظام کو آمریت میں تبدیل کیا۔ بعض لوگ موروثی بادشاہت اختیار کر گئے جبکہ دوسروں نے موروثی

جمہوریت اپنائی۔ مسلم حکمران زیادہ تر مذہب سے لاتعلقی رہے۔ اپنی آمریت کو دوام دینے کے لئے، وہ عوامی زعماء اور مذہبی ڈیواؤں سے گٹھ جوڑ کرتے رہے۔ امام ملائی ریاست کا درس دیتا ہے لیکن معیشت میں ملائی اور عوامی فلاح کی بجائے حکمرانوں کی مفاہی میں مصروف رہے۔ اپنی سرمایہ کاری کی غرض سے، مغربی حکومتیں انہیں کالی بیفاری اور مہاشی کی سہولتیں دیتی رہیں اور ان کی ہائی سرپرستی کرتی رہیں۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومتی کارندے اپنے سرکاری فرائض سے غرض بھی رشوت لیتے رہے، یہاں تک کہ عام آدمی انصاف بھی عدالت سے فریاد لے کر مجبور ہوا۔

اسلام مذہبی ڈیوائیٹ کا تصور نہیں رکھتا لیکن بظاہر عیسائی ملائیت کی نقل کرتے ہوئے، بعض علماء نے ملائیت کے نام پر مولویت کو اپنا پیشہ بلکہ ایک موروثی پیشہ بنایا۔ دوسرے یہ کہ امام و مسالیت اور مادیت کا امتزاج ہے لیکن علماء نے مذہب تک محدودیت اختیار لی۔ ان میں بعض نے خالصتا مذہبی علوم کے مدارس کھولے، جن میں بعض مدارس نے بہاد کے نام پر انہماک نہ الہام پیدا کئے۔ اس طرح مادیت سے اعتقادی باعث، اسلامی دنیا مادی علوم و فنون (مانس و ٹیکنالوجی) میں باقی دنیا سے بہت پیچھے رہ گئی۔ تیسرے یہ کہ بعض علماء نے قرآن کو ہالائے طاق رکھا اور انسانی افکار کو فروغ دیتے ہوئے اسلام میں فرقہ بنائے، حالانکہ تفرقہ بازی قرآن کی خلاف ورزی ہے (۱۰۵:۳)۔ (۱۵۹:۶)۔ اسی فرقہ واریت نے ہمارے ہاں نفرتیں پھیلیں اور اسلامی اتحاد کو بڑا انسان پہنچا۔ اور چونکہ یہ ان تصورات اسلامی روایات کا حصہ نہیں بلکہ اس سے متصادم ہے لہذا پھر بھی بعض علماء نے اسے اپنی کی بنیاد رکھی اور مشائخ کی سرپرستی کرتے رہے۔ اس طرح ترک مادیت اور تراز اول کے ہمارے اسلامی قوتیں کمزور ہوتی چلی گئیں۔

مقامی امراء (fouidal lords) نے عام آدمی کو تعلیم سے محروم رکھا تاکہ ان کا خون پسینہ ان کی مزارات سے لے لیا جاسکے۔

حکمرانوں اور امراء کی ملائیت علماء و مشائخ کی حکمت عملیوں بالخصوص سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی عملاً ایک مجرمانہ غفلت کے سبب، اسلامی دنیا اپنی افرادی قوت اور قدرتی وسائل سے استفادہ کرنے کے قابل ہی نہیں رہی اور اسی لئے معیشت و دفاع دونوں میں، غیروں

کی محتاج رہی۔ نائن الیون کے فوراً بعد، جب امریکہ نے اسے لکارا تو حکمران مصالحت میں اپنی بقاء دیکھتے رہے جبکہ علماء اتحاد بین المسلمین کے نعرے لگاتے رہے۔

نائن الیون کے حوالہ سے رونما ہونے والے حالات و واقعات تقاضا کرتے ہیں کہ اسلامی دنیا ماضی کی کوتاہیوں کا ازالہ کرے، لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ دورِ حاضر میں بھی، سیاسی موروثیت اور معاشی غبن کی خاطر اسلامی دنیا کے بیشتر حکمران ارتقائی سیاست کی بجائے مصالحت کی سیاست کر رہے ہیں جبکہ علماء کی بڑی اکثریت، رزق کی تلاش میں کسی مناسب گسب کی بجائے، مذہبی پیشوائیت کی موروثیت اور مسجد و مدرسہ تک محدودیت اختیار کر کے بے انصافی کر رہی ہے۔ جب تک یہ دونوں طبقے قرآن و سنت سے مکمل دیانتداری اختیار نہیں کرتے، اسلامی دنیا کی تقدیر نہیں بدل سکتی۔



(اے محمد!) اہل کتاب (یہود اور عیسائیوں) کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہوں اور ان سے کہو کہ ہمارا تو اس کتاب پر ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی، جو تم پر اتاری گئی ہے، ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم سب اُسی کے فرمانبردار (مسلم) ہیں (قرآن ۲۹:۲۶)

”کہہ دیجئے (اے محمد ان لوگوں سے کہ) میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں، میری جانب تو صرف وحی بھیجی جاتی ہے کہ سب انسانوں کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، تو جسے بھی اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو، اُسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔“ (قرآن ۱۸:۱۱۰)

’قرآن (گرہ ارض پر تمام انسانوں کے لئے) نصیحت ہے، جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم اُن کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے‘ (قرآن ۸۰:۱۲، ۲۹:۶۹)

’(اے محمد!) اہل کتاب (یہود اور عیسائیوں) کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہوں اور ان سے کہو کہ ہمارا تو اس کتاب پر ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی، جو تم پر اتاری گئی ہے، ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم سب اُسی کے فرمانبردار (مسلم) ہیں‘ (قرآن ۲۹:۴۶)

’کہہ دیجئے (اے محمد ان لوگوں سے کہ) میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں، میری جانب تو صرف وحی بھیجی جاتی ہے کہ سب انسانوں کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، تو جسے بھی اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو، اُسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔‘ (قرآن ۱۸:۱۱۰)

’قرآن (کُرد ارض پر تمام انسانوں کے لئے) نصیحت ہے، جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم اُن کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے‘ (قرآن ۸۰:۱۲، ۲۹:۶۹)